

سنگتراش

اسلم راہی ایم
☆

upload by salimsalkhan@yahoo.com

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

پڑا ہوا تھا۔ اس جوان نے بھاگ کر اپنے گھوڑے کی خریدی سے بنیاں نکالیں اور اس پر بڑھے
کو بھانے کی خاطر اس نے زخموں پر کس کر ٹپیاں باندھ دیں تاکہ خون ٹپکنا بند ہو جائے پھر اس
نے دریائے مرغاب سے پانی لے کر اس کے منہ پر چھینٹے دینے شروع کر دیے تھے۔

بڑھے نے آنکھیں کھولیں اور حیرت و استعجاب سے اس نے اس جوان کی طرف
دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”تم کون ہو؟ کس جگہ سے آئے اور کس نگر کو جانا ہے؟“
اس جوان نے کہا۔ ”میرا نام خلید بن حمدون ہے، میں مرو شہر کی طرف جا رہا
تھا کہ آپ کو یہاں زخمی پڑا دیکھ کر رک گیا۔ میں نے آپ کے زخموں پر ٹپیاں باندھ دی ہیں
اور خون رک گیا ہے۔“

بڑھے نے مایوسی اور ناامیدی میں کہا۔ ”اب خون رک بھی جائے تو کیا حاصل اہل اپنا
کام کر چکی ہے اور میں چند گھنٹیوں کا بہان ہوں۔“

خلید بن حمدون نے بڑی نرمی اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ آپ کا نام کیا
ہے؟ آپ کہاں جا رہے تھے اور کس نے آپ کو زخمی کیا؟“

اس بڑھے نے کہا۔ ”میرا نام ابی حزام ہے۔ میں مرو شہر کا رہنے والا ہوں۔ آہ!
اس قسمت شہر پر منگولوں نے حملہ کیا انہوں نے بچوں کو ماؤں کی چھاتیوں پر قتل کیا۔ عورتوں
کے پیٹ چاک کئے۔ پانی سمجھ کر مسلمانوں کا خون بہایا۔ اس شہر پر چنگیز خان کے بیٹے تولی
خان نے حملہ کیا۔ اکیس دن تک محاصرہ رہا۔ جس میں چنگیز خان کے اپنے محافظ دستے
کے ایک ہزار منگول مارے گئے۔“

تولی بڑا مکار و فریب کار انسان تھا اس نے جب دیکھا کہ وہ مرو شہر کو فتح نہیں کر
سکتا تو اس نے صلح کی گفتگو کے لیے شہر کے ایک امام کو طلب کیا۔ وہ امام اس کے لشکر میں گیا۔
اور تولی خان نے اچھا تاثر دینے کے لیے اس امام کی خوب خاطر تواضع کر کے واپس بھیج دیا۔ اس
امام کے اہل تولی خان نے ایک اعزازی خلعت شہر کے قلعہ دار عمیر الملک کے لیے بھیجی اور اسے
بشمیل کش کی کہ وہ صلح کی آخری شرائط طے کرنے کے لیے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کے خیمے
میں آئے اور اسے خدمت کا موقع دے۔

دریائے مرغاب کے کنارے کنارے ایک سوار اپنے گھوڑے کو اس شاہراہ پر پڑ
وٹا رہا تھا جو نیشاپور اور طوس شہروں کی طرف سے آتی ہوئی شمال میں مرو شہر کے پاس سے
گزر کر دریائے آسون کو پار کر کے بخارا اور سمرقند کی طرف چلی گئی تھی۔

وہ سوار پندی طرح مسلح تھا۔ اس کے سر پر آہنی خود اور جسم پر مضبوط کر دیوں کی
زبرد چمک رہی تھی۔ اس کے بازوؤں پر آہنی خوشن اور کندھوں پر فولادی خول تھے۔ دیکھا
مرغاب کے کنارے کنارے اپنے گھوڑے کو آندھی اور طوفان کی طرح بھگاتے بھگاتے اس
سوار نے ایک دم اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اسے رک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔
اس کا گھوڑا اس اچانک روکنے پر بُری طرح سیخ پا ہوا اور اپنی دونوں اگلی ٹانگیں
اٹھا کر بُری طرح نہناتے ہوئے احتجاج کیا۔ وہ سوار چھلانگ لگا کر نیچے آڈا۔ اپنی پیٹھ
پر بندھاتیروں سے بھر آتش مدست کیا، اپنی تلوار اور دھال سنبھالی اور دیکھ کے کہ اسے
اس طرف بڑھا جہاں کوئی خون میں لت پت پڑا ہوا تھا۔

وہ جہاں اپنا گھنٹا ریت پر ٹیک کر وہاں بیٹھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ کوئی ادھر ٹھہر کر
شخص تھا جو بُری طرح زخمی تھا۔ اس کے زخموں سے ابھی تک خون رِس رہا تھا اور وہ بے ہوش

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

میر الملک تولی خان کے چکر میں آگیا اور اپنے دوستوں کے ساتھ وہ تولی خان کے خیمے میں گیا۔ تولی خان نے ان سے مرو کے چھ سوا میر ترین آدمیوں کی فہرست طلب کی اور میر الملک نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے یہ فہرست انہیں بنا دی۔ پھر تولی خان نے میر الملک اور اس کے ساتھیوں کو حکم کر دیا اور اپنے چند افراد کو مرو کے چھ سوا میرا کی فہرست دے کر بھیجا کہ وہ ان سب کو بلالائے۔

وہاں فہرست لے کر شہر کے وسط سے پر گئے اور فہرست پر سے داندول کے حوالے کر کے کہا کہ تمہارے قلعہ دار میر الملک نے شہر کی گلیوں میں شمولیت کے لیے ان لوگوں کو طلب کیا ہے۔ فہرست چونکہ قلعہ دار میر الملک کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی لہذا وہ چھ سوا میرا شہر سے نکل کر ان کے ساتھ پہلے۔

جن وقت یہ چھ سوا آدمی شہر سے باہر جمع ہو رہے تھے تولی خان نے دھوکہ دہی سے کام لے کر شہر پر حملہ کر دیا اور کھلے میدان سے اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا۔ منگول دستے مرو کی گلیوں میں گھس گئے اور شہر کے سارے باشندوں کو اپنے اہل و عیال سمیت باہر میدان میں نکلنے کا حکم دیا۔ جب لوگ ان کے کہنے پر وہاں جمع ہو گئے تو منگولوں نے ان کا قتل عام شروع کر دیا۔ وہ چھ سوا میرا جن کی فہرست بنائی گئی تھی وہ بھی ترس کر دیے گئے۔ خود توں کو لاشیں بچوں کو غلام بنایا گیا۔ صرف چھ سوا میرے کارگیروں کو رکھا جن کی منگولوں کو ضرورت تھی۔

ابی حزم دم لینے کوڑکا پھر رہا تھا۔ منگولوں نے مرو شہر کے مکانات کو خوب غارت کیا اور عمارتیں گرا کر زمین کے برابر کر دیں۔ اپنے لشکر سے علیحدہ ہو کر اب بھی وہاں دو کے دیرانوں میں کئی منگول پائے جاتے ہیں۔ وہ ان مسلمانوں کی تلاش میں ہیں جو ابھی تک اپنے ذرا داروں میں چھپے ہوئے ہیں۔ جب بھی کوئی ترخانے سے نکلتا ہے تو منگول اسے پکڑ لیتے ہیں اور مار پیٹ کر قتل کر دیتے ہیں۔

میں بھی اپنے گھر کے ترخانے میں چھپا ہوا تھا۔ ہمارے گھر کے دوسرے تمام افراد ابھی گئے تھے۔ میرت ہم دونوں باپ بیٹی ہی بچے تھے۔ آج میں بہت کر کے اپنی بیٹی کے ساتھ نکلنے

سے نکل پڑا۔ ایک تو ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا۔ دوسرے میں پہلے اپنی بیٹی کو نیشاپور پہنچانا تھا۔ وہاں میری بیٹی کا نکاح تھا۔ اس کے بعد میں کسی ایسے مسلمان امیر کے پاس جانا تھا جہاں مرو کے ترخانوں میں چھپے ہوئے مسلمانوں کی مدد کر کے لیکن منگول سپاہیوں کو شاید میرے فرار کی خبر ہو گئی۔

جب ہم دونوں باپ بیٹی یہاں پہنچے تو ہمارے پیچھے سے دس بارہ منگول سپاہی پہنچ گئے۔ میں نے اپنی بیٹی کی عزت بچانے کی خاطر اسے بھاگ دیا اور وہ گھوڑے کو لے کر یہ ساتھ والی چٹانوں کے اندر کہیں رو پوش ہو گئی۔

منگولوں نے مجھے آکھڑا۔ انہوں نے میری بیٹی کو بھی بھانٹتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے مجھے پکڑتے ہی لوٹ کھسوٹ کیا۔ میری ساری نقدی اور مال چھین لیا اور مجھ پر پے در پے تلواریں برسائے۔ بعد مرہ سمجھ کر چلے گئے لیکن مجھ میں ابھی سانس اٹکی ہوئی تھی۔ وہ منگول ابھی واپس مرو کے میدانوں میں نہ گئے ہوں۔ وہ یہیں ان چٹانوں کے اندر میری بیٹی کو تلاش کر رہے ہوں گے۔

میں چند گھڑیوں کا وہاں ہوں۔ میری روح مسافر ہونے والی ہے۔ اگر ہو سکے تو میری بیٹی کی مدد کرنا۔ اسے ان وحشی اور بھیڑیا صفت منگولوں کے ہاتھوں سے بچانا۔ خدا تمہیں ان کا اجر دے گا۔ سنو میری بیٹی کا نام مرینہ ہے۔

پھر بوڑھے ابی حزام نے چوٹتے ہوئے کہا۔ "نہیں نہیں۔ میں نے تمہارے معاملے میں نکل اور لالچ کیا ہے۔ منگول دس بارہ ہیں اور تم اکیلے۔ وہ ہر حال میں میری بیٹی کو تلاش کر کے اسے بے آبرو کر دیں گے۔ بد قسمتی سے وہ انتہائی حسین بھی ہے۔ اسے اجنبی آدمی بھاگ باؤ اور اپنی جان بچاؤ۔ منگولوں نے تمہیں دیکھ لیا تو تمہیں قتل کر دیں گے۔

بوڑھے ابی حزام کی سانس اکھڑنے لگی۔ پھر اس نے مدھم آواز اور گہری بے بسی میں کہا۔ منگولوں نے میری قوم کو شکم گرسنگی کا شکار کر کے تشنہ جگر اور برہنہ بنادیا۔ یہ شریک ابلیس اور خدا فرشتے قوم غول و بدروح، آسیب و چھلواہ اور دہم و حشت کی طرح میری قوم پر حملہ آور ہوئی۔ بتیوں کو ویران و دھول دھول اور زیر و زبر کر دیا۔ مسلمان صحرا کے

بگولوں کی طرح سرگرداں ہیں۔ دودھ دودھ تک تاریکی میں کوئی ہلکی سی روشنی بھی دکھائی نہیں دیتی۔
مراکش سے مصر اور حجاز سے سوڈان تک مسلمانوں پر جو بدطاری ہے اور منگول یہی قوم
پر غم کی یلغار، عناد کی آگ، نفرت کا طوفان، دکھوں کا آسیریب اور سیل فنائین کے نائل ہر
رہے ہیں۔ یہ ان درندہ صفت اور غلام شکن منگولوں کی جرات مندی نہیں بلکہ فرزند ان تو حید
کے اخلاقی نعل، روحانی انحطاط اور مادی لذتوں کے باعث ہے۔ ہماری اپنی آبائی سپر گراہ
قابلیت اس اپنے ماضی کی تائید کی اور درخشندگی سے بے نیازی کے باعث ہے۔ اگر ہم جامع
و مربوط ہوتے، اگر ہم بیدار اس اپنے آبا کی طرح نور قمر، ضیائے نجوم اور شعاع شمس بن کر
چمکتے تو پرستانِ باطل ہمارے خلاف ایسی یلغار کرنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوتے۔

خدا کے قدموں کی قسم! اگر مغرب کا صلاح الدین اور مشرق کا محمود غزنوی آج
زندہ ہوتے تو ان منگولوں کو مار مار کر ان کو صحرائے گہنی کی طرف بھگا دیتے۔ تمہارے دیکھا ان
دونوں بیدار رہنے والوں کے بعد منگول ہم پر کیسے ٹوٹ پڑے جیسے بھیڑیے اپنے شکار پر اور
گدھیں مردار پر نازل ہوتی ہیں۔

بڑے ابی حزام کی آواز دہم ہوتی چلی گئی۔ اس کی سانس اکھڑنے لگی۔ شاید اس
پر نزع کا عالم طاری ہو گیا تھا۔ پھر اس کی نحیف سی آواز سنائی دی۔ خلید بن حمدون نے
خود سے سنا، وہ کہہ رہا تھا۔

”میری قوم کا سینہ دھواں دھواں ہے۔ اس کے پگھلنے کا عمل ابھی تک جاری
ہے کب کوئی درویش صفت مجاہد اُسٹھے گا اور اللہ اکبر پکار کر ہماری آبرو سے دہرا اُبلدیں
سحر انگیزی، شعلوں کی بے تابی، خیمہ کی آسودگی، تسلیم و رضا اور آپس کے شتہ و حکم
کی ابتدا کرے گا۔ کب کوئی سر فروش و سرفراز اُسٹھے گا جس کے آغاز اور انجام میں بھی تجر
ہوگا اور جو حصارِ محکم بن کر اپنوں کے قلب و نظر کی تطہیر کرے گا اور اختیار کے غرور و فخر
اور تعصب و گھمٹ کو کچل دے گا۔ آہ۔“

ابی حزام خاموش ہو گیا۔ اس کی گردن ڈھلک گئی۔ خلید نے تڑپ کر اس کی ہانپ
پر ہاتھ رکھا۔ وہ دم توڑ چکا تھا۔

خلید نے ابی حزام کی لاش اٹھائی اور بائیں طرف چٹانوں کی جانب چل دیا۔ اس
کا گھوڑا اس کے پیچھے پیچھے آئے لگا تھا۔ چٹانوں کے قریب جا کر خلید نے کھڑکے کے علاوہ
اپنے گھوڑے کی زین سے ایسے اوزار کھولے جو سگتراشوں کے پاس ہوتے ہیں۔ ان اوزاروں کی
مدد سے خلید نے گڑھا کھودا اور ابی حزام کو اس نے وہاں دفن کر دیا۔

جب وہ اپنے سگتراشی کے اوزار اور کھانا زین سے ہاتھ دھو کر اپنے گھوڑے
پر بیٹھنے لگا تو چونک گیا سامنے چٹانوں کی طرف سے دس بارہ منگول و خشیانہ انداز میں اپنے
گھوڑے بھگاتے آ رہے تھے۔ ان کا رخ اس کی طرف تھا۔

خلید نے ایک نگاہ میں ہی حالات کا جائزہ لے لیا تھا۔ گھوڑے کی زین سے لٹکتی ہوئی
اس نے اپنی کمان نبھائی اور بھاگ کر ایک چٹان کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گیا۔ اپنی بیٹھ پر بندھے
ہوئے ترکش سے اس نے کئی تیر نکال کر اپنے پہلو میں رکھ لیے تھے۔

جب منگول اس کی زد میں آئے تو اس نے طوفانی انداز میں ان پر تیر بر سنا کر شروع
کر دیے تھے۔ اس کا ایک تیر بھی ضائع نہ گیا اور چھ منگولوں کو اس نے چھید کر رکھ دیا تھا
جو اپنے گھوڑوں سے گر گئے تھے اور آہ و وادیا کرتے ہوئے زمین پر لوٹنے لگے تھے۔
باقی بچنے والے چھ منگول فی الفور اپنے گھوڑوں سے اتر گئے تھے اور اپنی ڈھالیں
اپنے سامنے رکھ کر وہ خلید کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

خلید فوراً چٹان کے پیچھے زمین پر لیٹ گیا پھر وہ گھٹنوں اور کہنیوں کے بل
سانپ کی طرح چلتا ہوا کافی بائیں طرف نکل گیا تھا۔ اب وہ ایک طرح سے ان چھ منگولوں
کے سامنے سے ہٹ کر ان کی دائیں جانب آ گیا تھا۔

اب ایک بار پھر اس نے ان پر تیر اندازی کی۔ اس طرح اس نے دواور منگولوں
کو چھید کر رکھ دیا تھا۔ کیونکہ ان کی ڈھالیں ان کے سامنے تھیں جب کہ خلید نے ان پر ان
کی دائیں طرف سے تیر بر سائے تھے۔

اپنے آپ کو حیات سے عجیب تر اور موت سے عمیق تر سمجھنے والے منگول بکھلا اُسٹھے
خلید کی طرح اب وہ بھی زمین پر لیٹ کر اس کی طرف بڑھنے لگے تھے۔ یہ صدمہ حال خلید

کے لیے خطرناک اور نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔ اس لیے کہ رنگیت ہوئے وہ خلید کا گھبراؤ کر کے اسے اپنے قابو میں کر سکتے تھے۔ اس صورت حال سے پیش نظر خلید نے اپنی کمان اپنے کمر سے نکالی اور اپنی تلوار ڈھال سنبھال کر دھماکے کھڑا ہوا۔

خلید کو کھڑا دیکھ کر منگول بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور بیزاری و اضطرابی حالت میں وہ رچھ کی طرح اپنے منہ سے بھیانک آوازیں نکالتے ہوئے خلید کی طرف بڑھے۔

خلید ستون کی طرح ایستادہ کھڑا ان کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ مناسب فاصلے پر آئے تو وہ آگے بڑھا اور ان چاروں پر حملہ کر دیا۔ منگولوں کا خیال تھا کہ وہ چاروں اسے محول کے اندر زیر کر کے اس کی اصلیت پوچھیں گے اور اسے عبرت ناک سزا دیں گے۔ لیکن ان کا سارا فخر و غرور ایک تختی اور سارے اقدام و مہموں اور وسوسوں میں بدل کر رہ گئے تھے۔ خلید ان پر ایسے ہی ثابت ہوا تھا جیسے بارہ سنگول کے گروہ میں بھوکا چیتا گھس آیا ہو۔ جیسے بھیڑوں کے ریوڑ پر کوئی خونخوار تیندوا آنازل ہوا ہو۔

منگولوں کے جس طرح آغاز میں تحیر تھا اسی طرح اب وہ اپنے انجام میں بھی تحیر و مایوسی محسوس کر رہے تھے۔ اچانک خلید نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور اس کی تلوار ابھر کر گری گویا سیف لالہ برق کے کوندے کی طرح اندھیروں میں لپک گئی ہو۔ ان میں سے ایک پر خلید کی تلوار گری اور اسے خون میں نہاتی چلی گئی تھی۔

اچانک چٹاؤں کی طرف سے لگا تار کئی تیرائے اور ایک منگول کو چھید کر رکھ دیا۔ اب باقی دو منگول رہ گئے تھے اور وہ غلاب جان جیسے دشمن کے روبرو بوکھلا گئے تھے اسی بوکھلاہٹ میں خلید فائدہ اٹھا گیا اور اس کی برق صفت تلوار ایک اور منگول کو کاٹتی ہوئی نکل گئی تھی۔ اب مقابلے پر صرف ایک منگول رہ گیا تھا جو اپنی تلوار ادا ڈھال کو حقارت کی نگاہ سے اور خلید کو خوفزدہ حالت میں دیکھ رہا تھا۔

خلید نے اس تنہا منگول کی طرف تھراؤ نہ کیا ہوں سے دیکھتے ہوئے کہا: "ہیں تمہارے گیارہ ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں پھر تو اکیلا کیوں کر میرے سامنے خود پر قابو رکھ سکے گا اور اپنے آپ میں رہ سکے گا۔ اپنی تلوار ادا ڈھال بھینک دو۔"

منگول پر خلید کا ایسا خوف طاری ہوا تھا کہ اس نے ایک قطعہ کے بغیر اپنی تلوار ادا ڈھال پینک دی۔ خلید نے غضب ناک آوازیں پوچھا۔ "کیا تم مرد و شہر کے دیوانوں اور کھنڈات میں رہتے ہو؟" منگول نے خاموشی سے اثبات میں گسول ہلا دی۔

خلید نے پھر پوچھا۔ "وہاں تمہارے کل کتنے ساتھی ہیں؟" منگول نے کپکپاتی آواز میں کہا۔ "میں اور تمہارے ہاتھوں مرنے والے میرے سارے ساتھی بلا کر ہم کل تین افراد وہاں تھے۔"

خلید نے پھر سخت لہجے میں پوچھا۔ "وہاں تمہارے ساتھی رات کہاں بسر کرتے ہیں؟" منگول نے کہا۔ "گو مرد و شہر کو گرا کر دیران اور کھنڈ کر دیا گیا ہے۔ لیکن مشرقی جانب ایک مضبوط عمارت کا کچھ حصہ ابھی تک کھڑا ہے اور اس عمارت کے ایک کمرے میں میرے ساتھی رہتے ہیں۔"

خلید نے اس منگول کو پھر کس دیا۔ "وہاں تمہارے ساتھی کیا ننگے فرش پر بستر لگا کر سوئیں؟" منگول نے جھٹ کہا۔ "نہیں وہاں فرش پر مرد و شہرے حاصل ہونے والے بھیڑوں کی اونی چھلا دی گئی ہے۔ جس پر میرے ساتھی بستر لگاتے ہیں جس کی وجہ سے کمرے میں سردی محسوس نہیں ہوتی۔" چند ثانیوں تک خلید تفکر میں ڈوب کر سوچا اور پھر اس نے غراتے ہوئے کہا۔ "تمہارا جنگیز خان اس وقت اپنے لشکر کے ساتھ کہاں ہے؟"

منگول نے کہا اب سردیاں اپنے خاتمے پر آگئی ہیں۔ جنگیز خان مشرق کی طرف بڑھ گیا ہے۔ وہ چند ایک شہروں کو فتح کرنے کے بعد کوہ ہندو کش کی شہر پوس وادیوں پر گرمیوں کی شدت گزارے گا اور دوبارہ مسلمانوں کے علاقوں پر یلغار کرے گا۔"

خلید نے کہا۔ "کیا تم جاسکتے ہو مرد کے قلعہ دار مجیر الملک کے اہل خانہ پر کیا گزری؟"

منگول نے بلا توقف کہا۔ "مجیر الملک کے تینوں بیٹے اور وہ خود مارے گئے۔ ان کا دو بیٹیوں اور ان کی بیوی کو جنگیز خان اپنے ساتھ لے گیا ہے۔"

خلید نے اپنی تلوار لراتے ہوئے کہا۔ "اب تم میرے لیے بے کار ہو۔ جو کچھ میں تم

سے چاہتا تھا حاصل کر چکا۔ اس کے ساتھ خلید نے تلوار گرائی اور منگول کو کاٹ دیا۔

خلید اب بڑی بے چینی سے اس طرف دیکھ رہا تھا جس طرف سے اس کے ساتھ لڑنے والے منگولوں پر کسی نے تیر برسائے تھے اور ان میں سے ایک کو موت کے گھاٹ بھی اتار دیا تھا۔ پھر چانک خلید اس طرف مڑ کر کے زور زور سے چلانے لگا۔ اسے بنت ابی حزام! اپنی گات سے باہر آ جاؤ۔ اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ منگول ختم ہو چکے ہیں۔ میں مسلمان ہوں میرا نام خلید بن حمدون ہے۔ باہر آ جاؤ میری ثقت کی آبرو! سورج غروب ہونے والا ہے۔ یہاں اب خطرہ ہے۔ یہاں سے اب کوچ کر جانا ہی بہتر ہے۔ خلید کے دیکھتے ہی دیکھتے ابی کی بیٹی ایک چٹان کی اوٹ سے نکلی اور آہستہ آہستہ خلید کی طرف بڑھی۔

ابی حزام کی بیٹی مرینہ جب قریب آئی تو خلید نے دیکھا وہ ابھی نو عمر تھی۔ وہ ایسی حسین تھی جیسے صدف میں موتی، جیسے پتھروں میں گوہر، اس کا چہرہ برگ زیتون کی طرح تروتازہ، آب شکر کی طرح شفاف، لعل بدخشاں کی طرح سرخ اور آب انگور جیسا نشا طائفہ تھا۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں سرشار و کشش انگیز اور پرخار و مسخور کن تھیں۔ اس کے باریکار ترشے ترشے سے ہونٹ حریر گل اور امت کا خزانہ لگ رہے تھے۔

وہ ریحان نفس زہرہ شامل اور شونخ دیدہ لٹکی خلید کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی اور حیا آلود پلکیں نیم لبتہ تھیں۔ خلید نے بڑی نرمی میں کہا۔

”تم تھوڑی دیر ہیں رکو، میں ان مرنے والے منگولوں کے گھوڑوں کو پکڑ کر جکڑتا ہوں۔ پھر ہم یہاں سے کوچ کرتے ہیں۔“

مرینہ نے بڑی آہستگی و تمکین میں چوڑیوں کی جلت رنگ صبی اپنی آواز میں کہا۔ میں اس کام میں آپ کی مدد کرتی ہوں۔“

خلید خاموش رہا۔ دونوں نے مل کر سارے گھوڑوں کو پکڑ لیا۔ خلید نے گیارہ گھوڑوں کی لگامیں ایک دوسرے سے بانڈھ کر انہیں آپس میں جکڑ لیا اور ایک گھوڑا اس نے مرینہ کے لیے رکھ لیا تھا۔ خلید جب اپنے گھوڑے کے پاس آیا تو وہاں مرینہ اپنے باپ کی قبر پر گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ خلید نے اسے کھل کر رونے اور اپنا جی بکا کرنے دیا۔ جب

وہ سنبھل اور اپنے آنسو پچھتی ہوئی آٹھ کھڑی ہوئی تو خلید نے پوچھا۔ ”کیا ہمیں یہاں سے کوچ نہ کرنا چاہیے؟“

مرینہ نے معنی خیز انداز میں خلید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”آپ کی منزل کیا ہے اور کس طرف کوچ کریں گے۔“

خلید نے کہا۔ ”میں مرو شہر کے کھنڈرات کا رخ کروں گا۔ تمہارے بابا مجھے مرو کی خونی داستان پوری تفصیل سے سنا چکے ہیں۔ میں پہلے وہاں اپنے تہ خانوں میں بند مجبور و مقہور مسلمان بہن بھائیوں کو نکالوں گا۔ اس کے بعد تمہیں نیشاپور ہمارے ننھیال چھوڑنے جاؤں گا۔ اگر تم مرو کے کھنڈرات تک میرا ساتھ نہ دینا چاہو اور اکیلی نیشاپور کی طرف کوچ کرنا چاہو تو اس گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ میں تمہیں معقول نقدی اور زاد راہ دیتا کر سکتا ہوں۔“

مرینہ نے ایک کر بناک بیداری کی سی حالت میں خلید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں اکیلی نیشاپور نہیں جانا چاہتی۔ میں مرو کے تہ خانوں میں مسلمانوں کو نکالنے کے نیک کام میں آپ کا ساتھ دوں گی لیکن وہاں ان کھنڈرات میں تو کافی منگول ہیں آپ اکیلے ان سے کیونکر نمٹ سکیں گے۔“

خلید نے ایک عزم میں کہا۔ ”اس کام میں نے سارا انتظام کر لیا ہے۔ تم دیکھو گی میں منگولوں کو عبرت ناک سزا دوں گا اور وہاں تہ خانوں میں اسیر مسلمانوں کو رہا کر دوں گا۔“

مرینہ نے کچھ بے تکلف ہوتے ہوئے کہا۔ ”میں آپ کی مشکور ہوں۔ آپ نے میری خان اور عزت بچائی میں آپ کی احسان مند ہوں کہ آپ نے میرے باپ کو عزت و احترام سے دفن کیا۔ میرے بابا آپ کو تباہ چکے ہوں گے کہ جب منگولوں نے ہمارا تعاقب کیا تو میں بھاگ کر ان چٹانوں میں رو پوش ہوئی تھی۔ میری خوش قسمتی کہ چٹانوں کی اوٹ میں جا کر میں نے اپنے گھوڑے کو مار کر بھگا دیا اور دوبارہ میں واپس مڑ کر اس پہاڑ پر چڑھ گئی جس کے پاس سے میں گزری تھی وہاں مجھے ایک فارمل گئی اور میں اس میں گھس گئی۔ وہاں سے میں اپنے بابا پر بھی نگاہ رکھ سکتی تھی۔ منگول مجھے ادھر ادھر تلاش کرتے رہے لیکن قریب ترین پہاڑ کا انہوں نے جائزہ نہ لیا۔ اس فارم کے اندر میں اپنی قبضہ بندی پرور رہی تھی اور اپنی حماقت پر

تاسف کر رہی تھی کہ میں نے گھوڑے کو بھگا دیا ہے۔ اب بچ جانے کی صورت میں اپنے زخمی یا مرنے والے باپ کے ساتھ میں کیونکر سفر کر سکوں گی لیکن مہربان قدرت میری مدد اور رہنمائی پر آمادہ تھی۔ اتنی دیر میں آپ آگئے اور میرے بابا کو سنبھالنے لگے۔

پہلے میں آپ کو بھی منگولوں کا ساتھی سمجھی تھی اور مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میرے بابا بے ہمدردی کے منگول دھوکہ دہی سے کام لے کر مجھے چٹانوں سے باہر آنے پر مجبور کر دیں گے لیکن میں اس غار میں پڑی رہی پھر جب منگولوں کی آپ سے جنگ شروع ہو گئی تو میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ آپ منگول نہیں ہیں۔ لہذا میں غار سے نکل کر نزدیک ہو گئی اور اپنی منتظا کے مطابق منگولوں پر تیر اندازی کی۔ میری خوش قسمتی کہ میں ایک منگول کو گرانے میں کامیاب ہو گئی۔

میں بڑی احتیاط سے ڈنڈہ کر تیر چلا رہی تھی مجھے خطرہ تھا کہ میرا تیر کہیں آپ کو نہ لگ جائے۔ پھر جب آپ نے مجھے بہت ابی حزام کہہ کر پکارا تو میرے سارے شکر رقع ہو گئے تھے اور میں بے دھڑک اپنی کمین گاہ سے نکل کر آپ کی طرف چل دی تھی۔ آپ نے ابھی تک اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ آپ کون ہیں، کدھر سے آئے ہیں اور دیا ئے مرغاب کے کنارے کنارے شمال کی طرف جاتے ہوئے آپ کی منزل کیا تھی۔

”خلید اُداس ہو گیا اور کبھی کبھی سی آواز میں کہا۔“ میں بنجارا کا رہنے والا ہوں میرا انھیال سمرقند میں تھا لہذا میں ایک عرصہ سمرقند میں بھی رہا ہوں۔ چنگیز خاں کے حملوں میں میرے ماں باپ اور بہن بھائی سب مارے گئے۔ میں بد قسمت اکیلا بچ بچلا تھا۔“

مرینہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ خلید کتا رہا۔ میں جلال الدین خوارزم شاہ کے لشکر کا ایک سالار ہوں۔ جلال الدین کا نام و جرنیل امین الملک مرو کے مرحوم قلعہ دار میر الملک کا رشتہ دار ہے اور اس کے کہنے پر جلال الدین نے مجھے مرو سے مجیر الملک کے یوپی بچوں کو لانے کے لیے روانہ کیا ہے۔

میں مشرقی رزمیوں کی طرف سے آ رہا ہوں لیکن آخری منگول سے مجھے پتہ چلا کہ مجیر الملک اپنے لشکروں کے ساتھ مارا جا چکا ہے اور اس کی بیوی اور دو بیٹیوں کو چنگیز خاں بکڑ کر لے

گیا ہے۔ مرو کے مسلمانوں کو رہا کرانے کے بعد میں تمہیں نیشا پور چھوڑ کر چنگیز خاں کے لشکر کا رستہ کر دلا گا اور وہاں مجیر الملک کی بیوی اور بیٹیوں کو تلاش کر کے امین الملک کے پاس پہنچاؤں گا۔ مرینہ نے بدک کر بدحواسی میں پوچھا۔ ”آپ چنگیز خاں کے لشکر میں داخل ہو کر کیونکر بچ سکیں گے جب کہ وہ مسلمانوں سے سخت بیزار ہے۔“

خلید نے کہا۔ ”میں مجاہد کے علاوہ ایک سنگتراش بھی ہوں اور ایک سنگتراش کی حیثیت سے ہی میں چنگیز خاں کے لشکر میں داخل ہو کر اپنا کام شروع کروں گا چنگیز خاں بورھوں، بچوں، عورتوں اور جوانوں کو بے دریغ قتل کرنے کا عادی ہے لیکن کارگاہوں کو وہ اپنے پاس رکھتا ہے اور انہیں خوب معاوضہ دیتا ہے۔“

چشم سائر، نور بخش سحر اور نعمتہ محبوبیت کی طرح حسین مرینہ نے اجنبیت کی اور دیواریں گواتے ہوئے کسی قدر بے باکی سے پوچھا۔ ”میں حیران ہوں کہ جب میری قوم میں آپ جیسے درویش صفت اور اکیر خاک آدم جیسے جوان موجود ہیں پھر ہم نے کیونکر منگولوں سے ہزیمت اور شکست اٹھائی۔ کیا ہم اس قابل نہ تھے کہ اس وحشی اور جاہل قوم کو واپس صحرائے گوبی کی طرف بھگنے پر مجبور کر دیتے۔“

کاش ہم اپنے شہروں کی حفاظت کر سکتے اور چنگیز خاں کے ارادوں کو خاتمہ بنا دیتے۔ ناکامیوں سے اس کا چہرہ عرق عرق کر دیتے اور اسے اپنے سامنے بھاگنے پر مجبور کرتے لیکن ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ بلکہ ہم نے ناذرین کو چمکتے والی اپنی حشمت و سطوت کو داغدار کیا اور اپنی قوم کو ناکامیوں کے سوزِ نہاں کا شکار کیا۔“

مرینہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور وہ سلسلہ کلام جاری نہ رکھ سکی خلید نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”منگول نہیں ہم خود اپنی شکست کا باعث بنے ہیں۔ ہم دینی یک جہتی کے بجائے نسلی اور لسانی یک جہتی کا شکار ہو گئے ہیں۔ اپنے آباد کی ہفت افلاک رفعت اور ان کے فکر و کردار کی تربیت کو پس پشت ڈال کر ہم ظاہری آن بان اور خناس کے وسوسوں کا شکار ہیں۔“

خلید نے ذرا رک کر غمزہ آواز میں کہا۔ ”میری قوم کی راکھ کی ترسے اب بھی

چنگاریاں ہیں، کوئی انہیں بھڑکانے والا نہیں۔ اس کے کردار میں اب بھی کئی ٹیکوں کے
نغمے پوشیدہ ہیں۔ ہر کوئی انہیں اپنے والا نہیں ہے۔ اس قوم کی آنکھوں میں اب بھی
رازینداں ہیں لیکن کوئی ان میں لہریں اور ارتعاش پیدا کرنے والا نہیں ہے اور جو قوم
اجتماعی طور پر گمراہی کا شکار ہوتی ہے، کارکنانِ قدرت اسے معاف نہیں کرتے۔ یہی وجہ
ہے کہ ہم ادب کی لامتناہی پرچھائیوں کا شکار ہیں اور اغیار بے دھڑک ہو کر ہمارے
جسموں کو ریزہ ریزہ کرتے جا رہے ہیں۔

خلید خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے مرینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”باتوں باتوں
میں دیر ہو گئی ہے۔ آپ ہمیں یہاں سے کسج کر جانا چاہیے۔“
دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور وہاں سے کوچ کر گئے۔ خلید اپنے
آگے منگولوں کے جکڑے ہوئے گھوڑوں کو بھی ہانکتا چلا جا رہا تھا جب کہ مرینہ بھی اس کام
میں اس کی مدد کر رہی تھی۔

آخری سہرا کی ملگجی شام، ٹوٹے دل کی آداس رات میں بدل چکی تھی۔ چہار سو کوہو
خاموشی اور سکوت تھا۔ لگتا تھا کسی نے جاوے بابل اور سحر سامری پھونک کر رات
کو سحرائے وحشت کی طرح بھیا نک اور پڑھول بنا کر رکھ دیا ہو۔

خلید اور مرینہ عشق کے قریب مرو شہر کے کھنڈرات سے قریب چٹانوں کے ایک
طویل سلسلے کے پاس آ پہنچے۔ خلید نے وہاں منگولوں کے جکڑے ہوئے گھوڑوں کو پکڑ کر
روک لیا اور مرینہ کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے بڑی راز داری سے کہا۔

”مرینہ! مرینہ! تم ان گھوڑوں کے ساتھ یہاں رُک جاؤ۔ میں مرو کے ان
کھنڈرات میں داخل ہو کر اپنے کام کی ابتدا کرتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے میں کامیاب رہوں گا۔“
مرینہ نے اس بات کا تئسے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ ”کیا میں اس کام میں آپ کی
کوئی مدد نہ کر سکوں گی۔ آپ اکیلے اس قدر منگولوں سے کیسے اور کیوں کر ٹھٹھکیں گے۔
یہاں کیجئے شہر کے کھنڈرات کے اندر میں دو تین درخانوں کو جانتی ہوں۔ وہ لوگ ہمارے
جلنے والے ہیں۔ میں انہیں درخانے سے باہر نکلواتی ہوں۔ پھر سب مل کر اس لالچ عمل کو

شروع کرتے ہیں۔“

خلید نے کہا۔ ”ایسا ممکن نہیں۔ تم اپنے سامنے مرو شہر کے کھنڈرات کی طرف دیکھو۔
مغرب، جنوب اور مشرق میں روشنی ہو رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے وہاں منگولوں کے آگ
کے آلودہ دھن کر رکھے ہیں اور وہ بیٹھ کر پہرہ دے رہے ہیں تاکہ درخانوں سے نکل کوئی بھاگنے
میں کامیاب نہ ہو۔ اگر تم میرے ساتھ ان کھنڈرات میں داخل ہو گئی تو کوئی درخانہ کھلونے سے قبل
ہی ہم دونوں پکڑے جائیں گے اور منگول ہم دونوں کو تخت لخت کر کے رکھ دیں گے اور پھر
تمہارے ساتھ ہونے سے مجھے منگولوں سے نمٹنے کے ساتھ ساتھ تمہاری حفاظت کا دوسرا فرض
ادا کرنا پڑے گا۔“

خلید نے کہا۔ ”میں تمہیں زیادہ دیر تک انتظار کے کرب میں نہ رکھوں گا۔ منگولوں
کو ٹھکانے لگا کر میں بہت جلد تمہارے پاس آؤں گا پھر ہم مل کر درخانوں کے اندر اسیر
اپنے مسلمان بہن بھائیوں کو نکال سکیں گے۔“

سنو! سنو! مرینہ! اگر میں واپس نہ آ سکوں اور تم محسوس کرو کہ منگول مجھ کو غالب
آگے ہیں تو فوراً میرے گھوڑے پر سوار ہو کر نیشاپور کی طرف روانہ ہو جانا۔ میرے گھوڑے
کی خراج میں کئی روز کی خوراک ہے۔ اس کی زمین سے پانی کا مشکیزہ بندھ لے اور خرچین
میں نقدی کی ایک بڑی تھیلی بھی ہے۔ سو ریاے مرغاب کے کنارے جس شاہراہ پر میں آیا ہوں،
اسی شاہراہ پر تم پہلے طوس شہر کی طرف جانا۔ وہاں سے بائیں ہاتھ یہ شاہراہ مڑتی ہے اور
سیدھی نیشاپور کی طرف چلی جاتی ہے۔ میرا گھوڑا ان سب راہوں سے خوب واقف اور شناسا
ہے۔ یہ بہت جلد تمہیں نیشاپور پہنچا دے گا۔“

مرینہ نے روتی ہوئی بین کرتی آواز میں کہا۔ ”آپ میری قوم کے دردناک اور
سرفروش مجاہد ہیں۔ میلر بابل ویرانوں میں مجھے تنہا اور سسک سسک کر مرنے کو نہ چھوڑے گا۔
وہ احمد کی بہتر چٹانوں، جبل صفا کی پرفرواد وادیوں اور بدر کے مقدس میدانوں کے طفیل آپ
کو اس مقدس کام میں کامیاب کرے گا۔ کاش۔“

خلید نے محسوس کیا کہ اس سے آگے حسین مرینہ کی آواز ہچکچوں میں ڈوب گئی تھی اور

کچھ کہہ رہی تھی۔ خلید نے چپ چاپ اپنے کندھوں پر اپنی کمان لٹکائی۔ منگولوں کے جھگڑے ہوئے گھوڑوں کو اس نے ایک چٹان کے ساتھ باندھ دیا اور مرو کے کھنڈرات کی طرف بڑھ گیا تھا۔

خلید مرو شہر کے کھنڈرات میں داخل ہوا۔ ایک گسے ہوئے مکان کے پاس کمرے جو کچھ سوچا رہا پھر کوئی فیصلہ کر کے وہ شرقی حصے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کی تلوار اور ڈھال اس کے ہاتھ میں تھیں اور کوئی کھٹکائیے بغیر وہ شرقی طرف بڑھتا رہا۔ جب وہ ایک گری ہوئی عمارت کے کچھ کچے ہوئے حصے کے پاس گیا جس کے سامنے دو منگول آگ کا لالہ روشن کیے بیٹھے تھے تو وہ رک گیا اور زمین پر لیٹ کر آگے بڑھنے لگا۔ نزدیک جا کر اس نے دیکھا وہاں دو بڑے بڑے کمرے اپنی صحیح حالت میں موجود تھے۔ ایک میں منگول سو رہے تھے اور دوسرے میں ان کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔

لیٹے ہی لیٹے دیوار کے ساتھ ساتھ ہوتا ہوا وہ اس کمرے کے دروازے پر آیا جس میں منگول سوئے ہوئے تھے۔ خلید نے سانس روک لی اور حالات کا جائزہ لیا۔ اس نے بالکل قریب آگ کا لالہ روشن تھا۔ وہاں دو منگول آگ پر اپنے ہاتھ پھیلائے بیٹھے تھے اور روشنی کی خاطر ان کے قریب ہی زمین میں دو روشن مشعلیں گڑی تھیں۔ لیٹے ہی لیٹے خلید نے اپنا ہاتھ بڑھ کر کیا اور اس دروازے کو اس نے زنجیر لگا دی۔ دوبارہ وہ رینگتا ہوا اس کمرے کے تاریک کونے میں آکر بیٹھ گیا تھا۔

ایک بار پھر خلید نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا اور جس کمرے کا دروازہ اس نے باہر سے بند کیا تھا اس کے روشن دان پر نظر پڑتے ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔ کمرے کے تاریک کونے میں خلید دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے اپنی کمان سنبھالی اور اس سے تیر نکالے اور آگ کے لالہ کے پاس بیٹھے دونوں منگولوں کو حدف بنا کر اس نے تیر چلا دیئے۔ اس کے تیر ان دونوں کو چھید کر رکھ گئے تھے۔ ان کے منہ سے ہلکی چنچیں نکلی تھیں، لیکن ان سے کمرے کے اندر کوئی ہل نہ ہوئی تھی۔

خلید آٹھ کھڑا ہوا۔ اپنی تلوار ڈھال اس نے سنبھالی اور آگ کے لالہ کی طرف بڑھا۔

دونوں منگول ختم ہو چکے تھے۔ خلید نے دونوں کو پاؤں کی ایک ایک ٹھوکہ کر کے ان کا جائزہ لیا پھر زمین میں گڑی دونوں مشعلیں اس نے لیں۔ جھاگ کر وہ کمرے کے پاس آیا اور روشن دان سے اس نے دونوں مشعلیں کمرے کے اندر پھینک دیں۔ پھر وہ دروازے کے پاس آکھڑا ہوا اور انتظار کرنے لگا۔

کمرے میں بچھائی ہوئی آواز فوراً آگ کی جگہ گئی اور پھر خلید کو کمرے کے اندر سے شور و فادلا کرنے کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ پھر ایک ساتھ کئی منگول اندر سے دروازہ پیٹنے لگے تھے۔ دروازہ نہ کھلنے کی صورت میں ایک منگول نے چیخنے کے انداز میں کہا۔ دروازہ توڑ دو ورنہ ہم سب جل کر راکھ ہو جائیں گے۔

اب منگول دروازے کو دھکے دے دے کر توڑنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ خلید نے باہر سے دروازے کو مضبوطی سے سہارا دے لیا تھا۔ تاکہ دروازہ ٹوٹنے میں بھی کچھ دیر لگے۔ اور کچھ منگول آگ کا شکار ہو جائیں۔ اب کمرے کے اندر سے ایک ساتھ کئی منگولوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ شاید انہیں آگ لگ گئی تھی۔

خلید اسی طرح دروازے کو اندر کی طرف دبا کر کھڑا تھا کہ اچانک وہ ایک جھٹ لگا کر ایک طرف ہٹ گیا کیوں کہ دروازہ اندر سے منگولوں کے زور لگانے کے باعث اکھڑ گیا تھا اور گرنے لگا تھا۔ تاہم خلید مستعد تھا اور تلوار صوفت کو بکھڑا ہو گیا تھا۔

دروازہ اندر کی طرف گر پڑا اور کچھ منگول گھبراہٹ اور بدحاشی میں باہر نکلے لیکن خلید مذاہب بن کر ان پر نازل ہو گیا اور جو بھی دروازے سے باہر نکلا اس کا اس نے سر قلم کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح کچھ منگول کمرے کے اندر چل گئے اور جو بچ کر باہر نکلے وہ خلید کی تلوار کا شکار ہو گئے۔

اچانک خلید سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ جنوب کی طرف سے تین منگول بھاگتے ہوئے اس کے کی طرف آ رہے تھے جس کو آگ لگ گئی تھی اور آگ کے شعلے اب خوب بلند ہونے لگے تھے۔ خلید نے کمان کندھے سے اتار کر اس پر تیر چڑھا لیا۔ وہ ان تینوں منگولوں سے جلد نمٹ لینا چاہتا تھا کیوں کہ یہ وہ منگول تھے جو جنوب کی طرف آگ روشن کر کے پہرہ دے رہے تھے اور

ان منگولوں کے آجانے کا بھی اندیشہ تھا جو مغرب کی طرف الاوروشن کیے ہوئے تھے۔

اچانک خلید ایک بار پھر چونک پڑا۔ اس کے قریب ہی دائیں ہاتھ کے کھنڈرات کے اندر سے کسی نے تیر برساتے اور جنوب کی طرف سے آنے والے منگولوں میں سے ایک کو پھید کر رکھ دیا تھا۔ اتنی دیر تک خلید نے بھی تیر چلا کر دوسرے منگول کو ختم کر دیا تھا۔ تیسرا خوفزدہ ہو کر واپس بھاگا لیکن خلید اپنی تلوار سونٹ کر اس کے پیچھے بھاگا۔ تھوڑی دور اس نے اسے جالیا اور اسے بھی د تیغ کر دیا۔

پھر وہ اپنی ڈھال سلنے رکھ کر اس طرف بھاگا جہاں سے کسی نے منگولوں پر تیر برسائے تھے لیکن قریب جا کر وہ رُک گیا کیوں کہ مغرب کی طرف پہرہ دینے والے تینوں منگول بھی بھاگتے ہوئے اس طرف آ رہے تھے۔ خلید پھر ایک پتھر کی اوٹ میں بیٹھ گیا اور جب وہ اس کے تیروں کی زد میں آئے تو اس نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ خلید نے محسوس کیا کھنڈرات کے اندر سے کوئی اور بھی ان پر تیر برسانے لگا تھا۔ اس طرح دو منگول خلید کے ہاتھوں اور ایک کھنڈرات میں پچھے کسی اجنبی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

سارے منگولوں کے خاتمے پر اچانک خلید پلٹا اور اس کمرے کی طرف بھاگا جس میں منگولوں کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ کیوں کہ آگ اب بڑی تیزی سے اس کمرے کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

خلید نے کمرے کا دروازہ کھولا اور سارے گھوڑوں کو اس نے باہر نکال دیا۔ کمرے کو آگ لگنے کے باعث باہر کی فضا چونکہ کچھ گرم ہو گئی تھی اس لیے منگولوں کے سارے گھوڑے ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ خلید بڑی تیزی سے اس کمرے کے اندر سے گھوڑوں کی زمینیں اور دوسرا ضروری سامان نکال نکال کر باہر رکھنے لگا تھا۔ آگ اب خوب بلند ہو کر پھیلتی جا رہی تھی۔

کمرے سے سارا سامان نکال کر خلید جب پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوا تو دنگ رہ گیا۔ سلمنے کھنڈرات میں سے دیکھتے ہی دیکھتے حسین مرینہ نمودار ہوئی اور مسکراتی ہوئی اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ قریب آ کر مرینہ خلید کے سامنے رُکی اور گہری دلفریب مسکراہٹ میں

اس نے خلید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں منگولوں پر اس طرح تنہا قابو پانے پر آپ کو مبارک باد دیتی ہوں۔ خدا کی قسم!

جس قوم کے سب فرزند آپ جیسے ہو جائیں، دنیا کی کوئی طاقت انہیں زیر نہیں کر سکتی۔ خلید نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ ”جس قوم میں تم جیسی بیٹیاں بھی ہوں۔ وہ بھی شکست و رنجیت کا شکار نہیں ہو سکتی۔“

مرینہ نے فوراً اپنی صفائی پیش کرنے کے انداز میں کہا۔ ”آپ نے مجھے گھوڑوں کے پاس بٹھایا تھا لیکن میں وہاں بیٹھ نہ سکی تھی۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے ادھر آگئی تھی۔ مجھے فکر تھی آپ اکیلے اس قدر منگولوں کے اندر کہیں پھنس نہ جائیں۔ میں اسی لیے یہاں ایک پتھر کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ میں نے اداہہ کر لیا تھا کہ جو بھی آپ پر حملہ آور ہوگا اسے میں اپنے تیروں سے پھینکی کر دوں گی۔“

خلید نے کہا۔ ”میں تمہارا شکر گزار ہوں، تم نے میرا اس قدر خیال رکھا۔“

مرینہ نے ایک اپنائیت میں کہا۔ ”آپ میرا شکریہ کیوں ادا کرتے ہیں۔ یہ میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا۔ کیا اب ہمیں لوگوں کو تہ خانوں سے نکالنے کا کام نہ شروع کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو لوٹ کھسوٹ کی خاطر کہیں سے اور منگول آجائیں اور ہماری ساری محنت اکارت چلی جائے۔ میں ایک ایسے شخص کے تہ خانے کو جانتی ہوں جو ہمارا ہمسایہ اور کپڑے کا تاجر تھا۔ وہ اپنے اہل خانہ سمیت تہ خانے میں بند ہے۔ پہلے ہم انہیں نکالتے ہیں۔ پھر وہ دوسرے لوگوں کو نکالنے میں ہماری مدد کریں گے۔“

خلید نے کہا۔ ”آؤ پہلے اپنے گھوڑے یہاں لے آئیں پھر لوگوں کو تہ خانوں سے نکالنے کا کام شروع کرتے ہیں۔“ دونوں اس طرف چل دیے جہاں ان کے گھوڑے تھے۔ دونوں کمرے جن میں سے ایک میں منگول بندھے اور دوسرے میں انہوں نے اپنے گھوڑے باندھے تھے، چل گئے تھے۔ خلید اور مرینہ نے سارے گھوڑوں کو ایک جگہ جمع کر کے باندھ دیا۔ پھر مرینہ خلید کو شمال کے کھنڈرات کی طرف لے گئی۔ وہاں ایک عمارت کے کھنڈرات میں وہ کچھ دیر غور سے جائزہ لیتی ہوئی اپنے ہمسایوں کے تہ خانے کو تلاش

کرتی رہی۔ پھر ایک گول پتھر تلاش کرنے میں وہ کامیاب ہو گئی اور اس پر زور سے
ہاتھ مارتے ہوئے اس نے چلا کر کہا: میں مرینہ بنت ابی حزام بول رہی ہوں۔
سے باہر آ جاؤ، منگو لوں کو ختم کر دیا گیا ہے۔ اب یہاں سے جھگنے کا بہترین موقع ہے۔
تھوڑی دیر بعد پتھر اُپر اٹھنا شروع ہوا۔ پھر ایک بوڑھے نے سر باہر نکال کر
جھانکا۔ مرینہ کو غلید کے ساتھ وہاں کھڑے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر سکراہٹ بھڑکی
پھر وہ باہر نکلا اور اس کے پیچھے پیچھے اس کی بیوی اور اس کے بیٹے بیٹیاں بھی باہر نکل
آئے۔ مرینہ نے انہیں اپنے ساتھ پیش آنے والے حاجت تحصیل سے سنا کر بے درمیان
غلید کا شکریہ ادا کرنے لگے۔

پھر اس بوڑھے نے کہا: آؤ ان کھنڈرات میں جگہ جگہ پھیل کر اذانیں دیں تاکہ نماز
میں بند لوگوں کو باہر بلائیں۔

سب کھنڈرات میں پھیل کر اذانیں دینے لگے اور لوگوں کو باہر بلانے لگے۔
تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد وہ سب لوگوں کو باہر نکالنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔
غلید نے ان میں منگو لوں سے ہاتھ لگنے والے گھوڑے بانٹ دیئے۔

سب لوگوں نے بڑے خلوص اور ایثار کا ثبوت دیا اور جس قدر ان کے پاس
خوراک کا ذخیرہ تھا وہ ایک جگہ جمع کر کے انہوں نے آپس میں بانٹ لیا۔ پھر جدھر جدھر
نے جانا تھا سناہ ہو گیا۔ غلید اور مرینہ بھی اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر نیشاپور کی طرف لنگھ کر
گئے تھے۔



ایک روز جب کہ رات اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی اور سحر کے نشیب و فراز ظاہر
ہونے لگے تھے غلید اور مرینہ نیشاپور سے تیس میل شمال میں کوہستانی سلسلے میں سفر کر رہے تھے
ہر طرف فصول ساز چاندنی رقص کناں تھی۔ ایک چشمے کے کنارے غلید نے اپنے گھوڑے کو روک
لیا اور نیچے اُترتے ہوئے اس نے کہا: مرینہ! مرینہ! آؤ یہاں فجر کی نماز ادا کر لیں پھر تازہ
دم ہو کر اپنے سفر کا آغاز کریں۔ نیشاپور اب کوئی زیادہ دور نہیں۔ آٹھ گھنٹے کی شام تک ہم

انشاء اللہ نیشاپور میں ہوں گے۔

مرینہ بھی گھوڑے سے اُتر گئی۔ گھوڑوں کا انہوں نے چشمے کے آس پاس ہری ہری
گھاس چرنے کو بھوڑ دیا اور خود دونوں نے اس چشمے کے کنارے بیٹھ کر صومکھا تھا۔ مرینہ
کھڑی ہوتی ہوئی بولی اور غلید سے کہا: رات کے وقت اس بیابان میں کسی جنگلی جانور کا
بھی خطرہ ہے۔ پہلے آپ نماز پڑھ لیں۔ میں وہاں پتھر کی اوٹ میں بیٹھ کر آپ پر
بگاہ رکھوں گی اور آپ کی حفاظت کر دوں گی۔ اس کے بعد میں نماز ادا کروں گی۔
غلید نے مسکراتے ہوئے کہا: یہاں اس علاقے میں جنگلی جانور کہاں۔ آؤ تم بھی
نماز پڑھو۔

مرینہ نے اپنے تیسرا دم کمان سنبھالتے ہوئے کہا: آپ نماز ادا کریں۔ میں آپ
کی حفاظت کر دوں گی۔ ابھی کافی وقت ہے۔ سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے ہم دونوں
باری باری نماز پڑھ سکتے ہیں۔

غلید شاید مرینہ کی بات مان گیا۔ چشمے سے ہٹ کر جنوب کی طرف وہ ایک پتھر
پر کھڑا ہو گیا اور اذان دینے لگا۔ سناں و بے خواب رات میں اذان کی آواز سنہری گھنٹیوں
کی طرح ابھرتی گونجتی رہی۔ مرینہ ایک پتھر کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ اذان کے بعد
غلید نے دعا مانگی۔ پھر وہ گھاس پر کھڑا ہو کر فجر کی نماز ادا کر رہا تھا۔

نماز کے بعد غلید نے جب مٹھ کر دیکھا تو دو اور جوان بھی اس کے پیچھے کھڑے
نماز ادا کر رہے تھے۔ ان کے کپڑے خون آلود تھے جیسے ابھی ابھی کسی رزم گاہ سے نکلے۔

غلید نے پتھر کی اوٹ میں مرینہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی نماز ادا کر رہی تھی۔ جب وہ دونوں
جوان نماز سے فارغ ہوئے تو غلید نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ مرینہ بھی نماز سے فارغ
ہو کر دعا میں شامل ہو گئی۔ غلید بڑی رقت بڑی دودمندی سے کہہ رہا تھا۔

’موتی کریم! میں ایک عاجز و گندگار بندہ تیرے حضور دست بردعا
ہوں۔ ہم پر گرم کی نگاہ کر۔ دیدہ و بین وحشی اور ہوس کے سوا گریہ
منگوں جو میری قوم پر خدا کا آنچل، عقوبت کا سمندر، زوال و فنا،

باب دومبر لبرالمیسی اور تیز و تند ہنگامہ خیز طوفان بن کر نازل ہوئے
ہیں۔ ان بدن پرستوں کی جیلہ گری 'قہر مذلت' اور حرص و تنم سے مری
ملت کو بچا۔ ان کا کردار خوشخواری و وحشت ہے۔ ان کا انجام ذلت
و خواری کر۔

الہی! تو فکر و دانش کا سرعظیم ہے۔ ہماری پُرانی اور آبائی عزیمت
و استقامت اور جرات و بہت عطا فرما۔ ہمیں اسلام کے غیر متبدل
اصول پر چلنے کی توفیق دے۔ ہمیں اتحاد عمل عطا کر کہ ہم بے غرضی
و جفاکشی سے کام لے کر جبراً غیاد کے سامنے اپنی ملت کو پر شکوہ و باغ
بنائیں۔

رب عظیم! ہماری نصرت و مدد فرما کہ ان مخدوش و شکستہ حالات میں بھی
اپنی قوم کے شجر کو بارور اور اس کی سطوت کو تحمل و شوکت سے
آراستہ کر دیں۔

خلید کو تھوڑی دیر کے لیے رک جانا پڑا کیوں کہ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں
تھے اور اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ دُعا میں شامل دونوں جوان اور مرینہ بھی سسکیں اور
ہچکیوں میں رو رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد خلید کی ٹوٹی بکھرتی آواز بھر بلند ہوئی۔

اے ارحم الراحمین! ہم اپنی ہی سرزمینوں پر اجنبی اور اپنے ہی
دیسوں میں غیر ہو گئے ہیں۔ ہماری آنادی کو باوقار بنا، ہمیں سونہ
نہاں عطا کر کہ ہم بدست و قہرمان دشمن کے غیض و برہمی سے ٹکرا
جائیں اور ملت کی آنادی و عظمت کی خاطر اپنی جائیں قربان کر دیں۔
الہی! ہماری فریاد سن، ہماری دُعاؤں کو قبول فرما۔

دُعا ختم کر کے خلید نے ان دونوں جوانوں کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں سے
ابھی تک آنسو رواں تھے۔ مرینہ ہچکیاں لے کر رو بھی رہی تھی اور سر پر بندھے اپنے روال
سے اپنے آنسو بھی پونچھتی جا رہی تھی۔ وہ دونوں جوان اُٹھے۔ پہلے انہوں نے خلید سے معافی

کیا پھر ایک نے پوچھا۔ اے امیر! آپ یہاں کہاں؟ آپ کے ساتھ ایک خاتون بھی ہیں
کیا وہ آپ کی بیوی ہیں؟

مرینہ اپنے آپ کو نبھال کر ان کی گفتگو غور سے سننے لگی تھی۔ خلید نے کسی قدر
مسکراتے ہوئے پوچھا۔ تم دونوں کون ہو، مجھے کیسے جاننے ہو۔ ان میں
ان میں سے ایک نے پھر کہا۔ اے امیر! کیا آپ آقا جلال الدین کے لشکر
میں سالار نہیں ہیں۔ ہم نے آپ اور آقا جلال الدین کے دوسرے جرنیل امین الملک
کی سرکردگی میں اصفہان کے اس معرکے میں بھی حصہ لیا تھا جس میں ہم نے چنگیز خان کو ہرا
ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

کاش ہم آپس کی نا اتفاقیوں اب تک حرکت کر چکے ہوتے۔ اگر ہم اتحاد عمل سے
کام لیتے تو قسم مجھے خداوند کریم کی اب تک ہم خوشخوار و وحشی منگولوں کو مار مار کر صحرائے
گہنی کی طرف بھگا دیتے۔ انہوں نے اپنی جرات سے ہمیں ذلیل و رسوا نہیں کیا انہوں
نے ہماری نا اتفاقی اور باہمی عدم تعاون سے فائدہ اٹھایا ہے۔ کاش

خلید نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔ اگر تم جلال الدین کے لشکر کے مجاہد ہو
تو اس وقت تم دونوں کہاں سے آرہے ہو۔

اس نے بڑی افسردگی سے کہا۔ آپ کو خبر ہو گی کہ آقا جلال الدین ان دنوں
منگولوں سے فیصلہ کن معرکے کی خاطر مشرق میں ایک لشکر کو ترتیب دے رہے ہیں۔
ہم بارہ جوان بغداد کی ایک نواحی بستی کے رہنے والے اٹھے اس جہاد میں شامل ہوئے۔
چند یوم کی رخصت پر ہم اپنے گھروں کو آئے تھے۔ پرہائے قیمتی جب ہم واپس جا رہے
تھے تو یہاں سے چند میل مغرب میں ہمیں کچھ منگول سوار دکھائی دیے۔ وہ تھوڑے ہی منتہیں
چالیں کے قریب ہوا۔ ہم ان سے پہلو تھی کر کے اور اپنا آپ بچا کر نکل جاتا
چلتے تھے لیکن حالات نے ایسا نہ ہونے دیا۔

ان منگولوں کے پاس دو مسلمان لڑکیاں تھیں جنہیں وہ کہیں سے اٹھا کر لا رہے
تھے۔ کوہستانوں کے ان دیوالاخوں میں ان لڑکیوں نے پہچان لیا کہ ہم مسلمان ہیں۔

لہذا انہوں نے ہمیں بھارا اور خدا اور رسول کا واسطہ دے کر ہمیں اپنی مدد کو بلایا۔ پھر اسے امیر! ہم کیوں کر اپنی قوم کی بیٹیوں کی اپنی ملت کی آبدوؤں کو دشمن کے چنگل میں پھونڈ کر اپنا آپ بچا کر بچل جاتے۔

ہم میں ہمارا ایک سرخیل بھی تھا اس کی سرکردگی میں ہم منگولوں سے ٹکرائے ہم اس جانب سے حملہ آور ہوئے تھے کہ ہم نے اکثر منگولوں کو تہ تیغ کر دیا۔ ہم نے انہیں ایسا کاٹا کہ ان میں سے صرف چند باقی رہ گئے تھے۔ لیکن ہائے حیف! جب ہم ان پر قابو پا رہے تھے ان کو ہتافوں کے اندر سے منگولوں کی ایک اور ٹولی نمودار ہوئی اور انہوں نے ہماری پشت سے ہم پر حملہ کر دیا۔

دونوں مسلمان لڑکیوں نے جب دیکھا کہ ہمارے مسلمان بھائی غالب آتے آتے اچانک مغلوب ہو رہے ہیں تو انہوں نے ہمارے ہاتھوں مرنے والے منگولوں کی تلواریں اٹھیں اور اپنا خاتمہ کر لیا۔ ہمارے ساتھی جنگ میں مارے گئے اور ہم دونوں بڑی مشکل سے اپنی جانیں بچا کر بھاگے۔ منگولوں نے ہمارا تعاقب کیا۔ انہوں نے یہاں سے تھوڑی دیر مغرب تک ہمارا پیچھا کیا پھر رات کی تاریکی میں کوہستانوں کے اندر ہم انہیں حکم دے کر ادھر بھج گئے۔ اے امیر! یہ ہماری داستان ہے۔ اب آپ اپنی کہیے۔

جواب میں خلید نے بھی ان سے اپنے پورے حالات کہہ ڈالے تھے۔ ان دونوں سے ایک نے خلید کے حالات سننے کے بعد مرینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: اے میری بہن! مر جا! تیری تربت قابلِ شائستگی ہے کہ تو نے مرد کے کھنڈرات میں منگولوں کو ختم کرنے میں امیر کی مدد کی۔ خدا کی قسم جس قوم کی ساری بیٹیاں آپ جیسی ہو جائیں وہ قوم ناقابلِ تسخیر ہو جاتی ہے۔

مرینہ نے کہا: اے میرے بھائیو! خلید نماز پڑھ رہے تھے جب کہ میں پتھر کے پیچھے بیٹھ کر ان کی حفاظت کر رہی تھی۔ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ باری باری نماز ادا کریں گے اسی وقت تم دونوں آگے۔ شروع میں تمہیں میں دشمن جانی تھی اور میں نے اپنی کمان پر تیر چڑھایا تھا لیکن جب تم دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر کر چشے پر وضو کرنے لگے تو میں جان

گئی کہ تم افان سن کر ادھر آئے ہمارا نماز پڑھنا چاہتے ہو لہذا میں بھی پرسکون ہو کر نماز ادا کرے لگی۔ اے میرے بھائیو! تمہاری ہمت و شجاعت بھی قابلِ تعریف ہے کہ تم اپنی دو بہنوں کی خاطر چالیں منگولوں سے ٹکرائے۔ خدا کی قسم! جس قوم کے جوان تم جیسے ہو جائیں۔ کوئی بھی اس عظیم قوم کی شکست و ریخت نہیں کر سکتا۔

جب مرینہ خاموش ہو گئی تو خلید نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ اگر تم دونوں میری اذان کی آواز سن کر ادھر آئے ہو تو ان کو ہتافوں کے اندر منگولوں نے بھی اذان کی آواز سن لی ہوگی وہ ضرور تمہارے تعاقب میں ادھر کا رخ کریں گے۔ شاید تم منگولوں کی فطرت سے واقف ہو گے، وہ جب کسی کا تعاقب کرتے ہیں تو اپنی بادوسرے کی موت تک اس کا پیچھا کرتے ہیں اور پھر تم لوگوں نے تو ان کے کئی ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ وہ ضرور تمہارا تعاقب جاری رکھیں گے۔ میں ان کی فطرت و جبلت سے خوب واقف ہوں اور سنو! وہ منگول۔

خلید کہتے کہتے رک گیا کیوں کہ نیچے وادی میں اسے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی تھی۔ خلید چونک پڑا اور ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا: اے میرے ساتھیو! تیار ہو جاؤ، تمہارا تعاقب کرنے والے منگول آگئے ہیں۔

انہوں نے آٹھ کر دیکھا۔ نیچے وادی میں اپنے گھوڑے بکٹتے دوڑاتے ان کی طرف آ رہے تھے۔ ان کی تعداد پندرہ کے قریب تھی۔ خلید نے ایک عزم سے ان دونوں سے کہا: ”آؤ! اپنے رب کا نام لے کر ان منگولوں سے ٹکڑ لیں۔ اپنی کمانیں سنبھال کر اس سلسلے والی چٹان کی اوٹ میں بیٹھ جائیں اور جب یہ قریب آکر اُپر چڑھیں تو ان پر تیر اندازی شروع کر دیں۔ فکر مند نہ ہونا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ ہم ان پر قابو پا لیں گے۔“

تینوں نے اپنی کمانیں، ترکش، تلوار اور ڈھالیں سنبھالیں اور ایک چٹان کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گئے مرینہ بھی اٹھی اور اپنی کمان سنبھال کر وہ خلید کے پہلو میں آ بیٹھی تھی خلید چٹان کی اوٹ سے منگولوں کو دیکھ رہا تھا۔

وادی سے نکل کر اب وہ اس ٹیلے پر چڑھنے لگے تھے جس کے اوپر وہ چاروں چٹائی کی اوٹ میں بیٹھے بھٹے تھے۔ خلید نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا: "مخاطر ہو۔ جب میں اشارہ کروں تو انہیں نشانہ بنا کر ان پر لگاتار تیر برس سانا شروع کر دینا۔ اس کے ساتھ ہی اپنے چلتے ہوئے تیر چڑھا لیا تھا۔

مرینہ کے علاوہ وہ دونوں بھی خلید کی تقلید میں تیر چڑھا کر اپنی کمائیں سیدھی کر چکے تھے۔ اچانک خلید نے اشارہ کیا اور چاروں نے ایک ساتھ منگولوں پر تیر اندازی شروع کر دی تھی۔ ہندہ میں سے آٹھ برسی طرح چلا کر اپنے گھوڑوں سے نیچے گر گئے۔ باقی سات اپنے گھوڑوں سے فوراً پھلانگیں لگا کر پتھروں کی اوٹ میں ہر گئے اور غصہ غضب کی حالت میں وہ پتھروں کی آڑ لیتے ہوئے آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگے تھے۔

خلید نے بڑی تیزی سے کچھ سوچا پھر اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا: "تم دونوں یہیں اوپر بیٹھو اور گلے گلے ان پر تیر اندازی کر کے انہیں یہاں اپنی موجودگی کا حواس دلاتے رہو۔ میں دائیں طرف سے نیچے جاتا ہوں اور ان کی پشت سے ان پر حملہ آور ہوتا ہوں۔ اس طرح انہیں گھیر کر ہم آسانی سے ان پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔" مرینہ نے فوراً بولتے ہوئے کہا: "میں بھی آپ کے ساتھ نیچے جاؤں گی۔" خلید نے کہا: "تو پھر آؤ میرے ساتھ جلدی کرو۔"

خلید اور مرینہ پتھروں کی اوٹ میں بڑی تیزی کے ساتھ دائیں طرف کا پتھر لگا کر نیچے اترنے لگے۔ ایک مناسب جگہ جا کر خلید نے سرگوشی میں کہا: "مرینہ! مرینہ! یہاں رک جاؤ۔ وہ دیکھو یہاں سے ہم منگولوں کو اوپر چڑھتے دیکھ سکتے ہیں۔"

دونوں ایک پتھر کی اوٹ میں رک کر بیٹھ گئے۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا اور پشت کی طرف سے منگولوں پر انہوں نے تیر برسائے جس سے تین اور منگول ختم ہو کر رہ گئے تھے۔ اب باقی چار منگول رہ گئے تھے۔ خلید اٹھ کھڑا ہوا اور ان چاروں منگولوں کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا:

"اب تم کھڑے ہو جاؤ۔ تم ہم سے بچ کر اب بھاگنا بھی چاہو تو نہیں بھاگ سکتے

یہ بیابان دو دیوالاخ اب تمہارا مدفن نہیں گئے۔"

منگول کھڑے ہو گئے اور ان میں سے ایک نے خلید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "تم نے جو کچھ کرنا تھا کر چکے۔ اب دیکھنا ہماری تلواریں کس طرح تم پر برکتی ہیں۔ یہ منگول لاخ ہمارا نہیں تمہارا مدفن نہیں گئے۔"

منگولوں کے اس وقت اور ان خطا ہو گئے۔ جب خلید کے قریب سے مرینہ اور ان منگولوں کی پشت سے خلید کے وہ دونوں ساتھی بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر خلید نے نرم و دھم آواز میں کہا: "مرینہ! مرینہ! میں ان منگولوں پر حملے کی ابتدا کرنے لگا ہوں۔ تم یہیں کھڑی رہنا۔ یہ چار منگول اب ہمارا سامنا کر سکیں گے۔"

مرینہ نے ہمدردی اور چاہت میں کہا: "کیا اس نیک کام میں آپ کی میں مدد نہ کر سکتی گی۔"

خلید نے کہا: "ان چاروں کے لیے تو میں اکیلا ہی کافی تھا۔ اب تو ان کی پشت پر میرے دو شیر دل ساتھی بھی کھڑے ہیں۔ تم یہاں کھڑی ہو کر دیکھو ہم ان کا کیا ہشر کرتے ہیں۔" خلید آہستہ آہستہ نیچے قدموں سے آگے بڑھا۔ اس کے پاس اس کی تلوار اور ڈھال تھی۔ منگولوں کی پشت سے اس کے آدمی بھی آگے بڑھنا شروع ہو گئے تھے۔ منگول بدحواس تھے کبھی وہ اپنے سامنے اور کبھی پشت کی طرف دیکھتے۔ پھر انہوں نے کوئی فیصلہ کیا۔ ایک خلید کی طرف اور تین اس کے دونوں ساتھیوں کی طرف بڑھے تھے۔

خلید کے مقابلے پر اپنا ایک ساتھی لاکر منگولوں نے حماقت کی تھی۔ شاید خلید کو پرکھنے میں ان سے غلطی ہوئی تھی۔ یا وہ ان کے لیے اجنبی تھا جب کہ دوسرے دونوں سے وہ پہلے ہی تیغ آزمائی کر چکے تھے۔

خلید نے آگے بڑھ کر اپنے پہلے ہی وار میں منگول کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر وہ تینوں کی پشت پر حملہ آور ہوا اور ان میں سے ایک کو کاٹ دیا۔ دوسرے دو منگول اپنے ساتھیوں کی موت پر سراپیم سے ہو گئے اور اسی سراپیم کی میں خلید کے دونوں ساتھیوں نے ان کا خاتمہ کر دیا۔

خلید اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ٹیلے کے اوپر پاس جگہ آیا جہاں انہوں نے نماز ادا کی تھی۔ مرینہ بھی ان کے پاس آکھڑی ہوئی تھی۔ ان دونوں ساتھیوں میں سے ایک نے خلید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے امیر! آپ کی منزل شاید نیشاپور ہے۔ ہمیں اجازت دیں ہم اب یہاں سے مشرق کی جانب اپنے لشکر کو کوچ کرتے ہیں۔"

خلید نے کہا۔ "جلال الدین اور امین الملک دونوں سے میرا سلام کہنا۔ میرے پورے حالات انہیں سننے کے بعد انہیں خبر کرنا کہ میں نیشاپور سے ہو کر عمیر الملک کی بیوی اور بیٹیوں کی تلاش میں جنگیز خان کے لشکر میں جاؤں گا۔ اور سونچے کھڑے منگولوں کے سارے گھوڑے جکڑ کر لے جاؤ۔ انہیں راستے میں بیچ کر تم دونوں آپس میں تقسیم کر لینا۔"

ان دونوں نے باری باری خلید سے مصافحہ کیا۔ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر وہ بیچے اترے اور منگولوں کے سارے گھوڑوں کو ہانکتے ہوئے وہ مشرق کی طرف کوچ کر گئے تھے۔ خلید اور مرینہ بھی اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور جنوب میں نیشاپور کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔



ابھی سورج غروب نہ ہوا تھا کہ خلید اور مرینہ نیشاپور شہر سے باہر ایک چوراہے پر جا پہنچے۔ وہاں سے ایک شاہراہ دخت کبیر سے ہوتی ہوئی نیچے شہر اور وہاں سے وہ غوث لوط کی بھول بھلیوں کی طرف بھل گئی تھی۔ ایک شاہراہ مغرب میں رہے، قزوین، تبریز اور آند بائجان کی طرف چلی گئی تھی۔ تیسری شاہراہ سیدھی جنوب میں اسفہان کو جا رہی تھی۔ خلید نے اس چوراہے پر اپنے گھوڑے کو روک دیا۔

مرینہ نے چونک کر پوچھا۔ "آپ رک کیوں گئے؟"

خلید نے کہا۔ "میں یہاں تمہیں الوداع کہتا ہوں۔ یہاں سے تم سیدھی اپنے نانا کے ہاں چلی جاؤ۔ میں یہاں سے مشرق میں ہرات شہر کا رخ کروں گا اور وہاں سے جنگیز خان کے لشکر میں شامل ہو جاؤں گا۔"

چند ثانیوں تک مرینہ بڑی حسرت سے خلید کو دیکھتی رہی اور اپنے ہونٹ کاٹتی رہی۔

اس کے چہرے پر کتنا دکھ، کتنی محرومی، لامحدود رنج اور انتہائی تکلیف وہ احساسات تھے۔ ایسا لگتا تھا اس میں تابید گفتگو اور طاق ستم نہ رہی ہو۔ اسے نہ اپنی حرکت پر قابو نہ گویائی پر چارہ۔ تاہم ان سارے احساسات کے پس منظر میں اس کی آنکھوں میں خلید کے لیے خاموش محبت اور دلی دلی چاہت بھی تھی۔

تھوڑی دیر تک مرینہ اپنی ہستی کے اسرار و رموز سے جنگ کرتی رہی۔ اس کا رنگ زرد چہرہ اترتا ہوا تھا اور اس کی پیکل میں آنسوؤں کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ پھر گویا اس نے اپنے آپ کو مجتمع کر لیا اور انتہائی غم آلود نگاہ خلید پر ڈالتے ہوئے اس نے بھرپور گداختگی اور سوز و پیش میں کہا۔

"میں آپ کو روکنے کا حق تو نہیں رکھتی لیکن آپ سے یہ التماس ضرور کروں گی کہ آپ میرے ساتھ میرے نانا کے گھر ضرور چلیں۔ میرے نانا اور ماموں آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔ حالات اگر پھر کبھی آپ کو میرے نانا کے ہاں لائیں تو آپ ان کے لیے اجنبی ہونہ ہوں گے۔ کاش میں آپ کو —"

خلید نے اسے نرم لہجے اور محبت میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مرینہ! مرینہ! میں تمہاری باتوں کا مطلب اور تمہاری گفتگو کے انداز کو سمجھتا ہوں۔ مرینہ! مرینہ! تم ندیوں کے ساتھ گنگانے اور تاروں کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے پیدا ہوئی ہو۔ میرے ماں باپ عزیز واقارب سب مارے گئے۔ میں شب و روز کا امیر ہوں۔ میں اب کسی عظمت کی خواہش نہیں کرتا۔ اس فانی دہر میں اب میری زندگی پانی کے بلبلے اور ہوا کے اس جھونکے کی طرح ہے جو چاہے تو طوفانوں کی نظر کر دے، چاہے تو شمع کی مانند بجھا کر رکھ دے۔ میں اب ہر روز آتش فشاں کے اس دہانے پر رہتا ہوں جو بے قابو ہو کر کسی وقت بھی تباہی اور بربادی کا باعث بن سکتا ہے۔"

مرینہ! مرینہ! اپنے ساتھ میں تمہیں محروم راحت نہیں کر سکتا۔ میں تمہاری باتوں کو سمجھتا ہوں۔ میں پتھر کا بت نہیں جو خاموش پڑا رہے۔ میں تمہارے ہر جذبے کو محسوس کرتا ہوں۔

خلید نے ذرا رگ کر کہا۔ "مرینہ! مرینہ! میں تنگنائے زندگی کی ایک ایسی راہگز
ہوں جو کسی منزل کی نشاندہی کرنے کے بجائے صحرائے طوفانوں میں کھو جاتی ہے۔ میں یادوں کے
ان صحیفوں کی طرح ہوں جنہیں لوگ طاقی نسیاں میں رکھ کر فراموش کر دیتے ہیں۔ میں کیسے کہیں
کسی خوش کن سحر کی امید دلاؤں۔ میں کس بنا پر تمہارے ساتھ تجدید ملاقات کا عہد کروں۔
کاش میرا کوئی گھر بچتا تو میں تمہارے نانا سے تمہیں اپنے لیے مانگ لیتا۔ جہاں تم میری رفاقت
میں پرسکون زندگی بسر کر سکتی۔"

پت جھڑکی طرح اُداس مرینہ چند ثانیوں تک آسمان پر تیرتے سرمئی بادلوں کے دہیز
مکڑوں کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے ایک کرب اور دو ہانے انداز میں کہا۔ "آپ کا کوئی
گھر نہیں رہا تو کیا ہوا۔ خدا کی قسم آپ میری قوم کے ان قیمتی جوانوں اور مقدس فرزندوں میں
سے ہیں۔ جو اپنی ہمت مرطوب سے کوہستان کو رانی اور ذرے کو آفتاب بنا دیں۔ آپ جیسے
جوان ہی تاروں کو بادبان بنا کر اپنی ملت اپنی قوم کو ہفت افلاک کی رفعت تکارتے
ہیں۔ کاش میں ان خیالات کو الفاظ کا روپ دے سکتی جو میرے دل میں آپ کے لیے ہیں
کاش میں بے جھجک ہو کر آپ سے سب کچھ کہہ سکتی جو میں کہنا چاہتی ہوں۔"

میرے نانا کے گھر کو آپ اپنا گھر جان کر میرے ساتھ چلے۔ وہ سب آپ کو
دیکھ کر بے حد خوش ہوں گے۔ اگر آپ ان سے مجھے مانگیں بھی تو وہ ہرگز انکار نہ کریں۔
میں آپ کی رفاقت میں جنگل، بیابان اور بول کی کسی جھوٹ پڑی یا کھلے آسمان تلے بھی
رہنے کو تیار ہوں۔ آپ میرے ساتھ چلیے میں وعدہ کرتی ہوں کہ ایک رات سے زیادہ
آپ کو نہ روکوں گی۔"

خلید نے اپنا گھوڑا مرینہ کے قریب لاتے ہوئے کہا۔ "چلو میں تمہارے ساتھ چلنے
کو تیار ہوں۔ اگر تم ایک ناتوان لڑکی ہو کر میرے لیے روجوں کے طوفان فرو کر سکتی ہو تو میں
مرد ہو کر تمہارے لیے دشتِ اجل سے بھی سکون و طمانیت ڈھونڈ لاؤں گا۔"

عمویت اور تفکر میں گم مرینہ خلید کے اس فیصلے پر کسی تازہ آرزو کی طرح خرم و
نخداں، کسی خیال نو کی طرح سکون آفرین اور نغمگی آبِ جو کی طرح زمزمہ خواں ہو گئی تھی اس

کے دل میں خوشیوں کی گھر گھر اہٹ اور آنکھوں میں سکون کی چمک آگئی تھی۔ وہ چپ افس
ناموش شادماں و گل نشان نخل بہار کی طرح بن خلید کو دیکھے جا رہا تھی۔
خلید نے پھر کہا۔ "چلو پھر چلیں۔"
مرینہ کی عمویت ٹوٹ گئی۔ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس نے ہانک دیا اور دونوں
شہر کی طرف بڑھنے لگے تھے۔



ایک حویلی کے سامنے مرینہ گھوڑے سے اتر گئی اور دروازے پر دستک دی۔ علی
بھی اپنے گھوڑے سے اتر کھڑا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھے نے دروازہ کھولا۔
مرینہ بھاگ کر اس بوڑھے سے لپٹ گئی اور وہ بوڑھا شفیقانہ انداز میں اس کا سر چوم رہا تھا۔
علیحدہ ہو کر مرینہ نے خلید سے کہا۔ "یہ میرے نانا ابی سلوم ہیں۔"
اتنی دیر تک دس بارہ سال کی عمر کے دو لڑکے بھی وہاں آگئے اور مرینہ انہیں لپٹا کر
پیار کرنے لگی۔ مرینہ نے دوبارہ خلید سے کہا۔ "یہ دونوں عریب اور حجاب میرے ماموں کو
ہیں۔ میرے ماموں کا نام سلافہ ہے۔"

پھر مرینہ نے ابی سلوم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "نانا! آپ انہیں دیوان خلید
میں بٹھائیں۔ میں ان سے متعلق پوری تفصیل آپ کو بتاتی ہوں۔"

ابی سلوم نے اپنے دونوں پوتوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم میں سے ایک دونوں
گھوڑوں کو صطبل میں باندھو اور دوسرا بھائی مہمان کو دیوان خانے میں بٹھائے۔"

ابی سلوم مرینہ کو حویلی کے اندر لے گئے۔ دونوں لڑکوں میں سے ایک گھوڑے صطبل
کی طرف لے گیا اور دوسرا لڑکا خلید کو دیوان خانے میں بٹھا کر باہر بھاگ گیا تھا۔

تھوڑی دیر تک خلید دیوان خانے میں اکیلا بیٹھا رہا پھر وہاں مرینہ کا نانا ابی سلوم،
اس کا ماموں سلافہ اور دونوں بچے عریب اور حجاب داخل ہوئے۔ پہلے ان سب نے بڑی
گرم جوشی کے ساتھ خلید کے ساتھ مصافحہ کیا اور اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ اتنی دیر تک رفاقت
پر مرینہ نمودار ہوئی۔ اسے دیکھتے ہی اس کے ماموں سلافہ نے بڑے پیار سے کہا۔ "اندرا جاؤ بیٹی!"

دروازے پر کیوں کھڑی ہو۔“

مرینہ مسکراتی اور لجاتی ہوئی کسی لمبکتی ڈال اور اطر کا منی کی طرح لہرائی اندسائی اور غاموشی سے اپنے منہ کے پاس بیٹھ گئی۔

ابی سلوم نے خلید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مرینہ مجھے پورے حالات سنا چکی ہے ہم سب تمہارے خفاور ہیں کہ تم نے مرینہ کی عزت اور جان کی حفاظت کی اور اسے یہاں تک پہنچایا تم نے جو مرد شہر کے دروازوں میں بند مسلمانوں کو نکالا اس سے تم ہماری نگاہوں میں اور زیادہ عزیز و عزیز ہو گئے ہو۔ مرینہ تمہاری شجاعت اور تمنح زنی کی بے حد تعریف کر رہی تھی۔ اس کی ممانی بھی تمہارے کردار سے سخت متاثر ہوئی ہے۔ وہ بھی تم سے ملے گی۔ اس وقت کھانے کی تیاری میں مصروف ہے۔“

اسی وقت ایک ادھیر عمر کی عورت ایک انگوچھے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور خلید کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”میں کھانا پکانے میں منور مصروف تھی لیکن آگٹی ہوں“ اس نے پیار سے خلید کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”کاش میری قوم کے سارے فرزند تم جیسے ہو جائیں تو اس قوم کے لیے کوئی دکھ کوئی غم نہ رہے۔“

پھر وہ باہر نکلتی ہوئی بولی۔ میرا نام مرینہ ہے۔ میں مرینہ کی ممانی ہوں۔ کھانا تیار کر لوں پھر آکر بیٹھتی ہوں۔“

مرینہ باہر نکلی گئی۔ ابی سلوم نے پھر خلید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”مرینہ کہہ رہی تھی، تم کل یہاں سے کوچ کر کے جنگیز خان کے لشکر میں جاؤ گے اور وہاں مرد کے قلعہ دار مجیر الملک کی بیوی اور بچوں کو تلاش کرو گے۔“

خلید نے کہا۔ ”جی ہاں میں انہیں جنگیز خان کے لشکر میں تلاش کرنے کے بعد واپس اپنے لشکر میں جاؤں گا۔ جلال الدین اور امین الملک بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں بھی بہت جلد اپنے لشکر میں شامل ہونا چاہتا ہوں کیونکہ عنقریب ہم جنگیز خان کے خلاف ایک بڑی مہم کا آغاز کرنے والے ہیں۔“

اس بار مرینہ کے ماموں نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔ ”لیکن تم

اس خونی بھیڑیے کے لشکر میں کیونکر داخل ہو گے اور پھر وہاں سے بچ کر کیسے نکل گے۔“
خلید نے کہا۔ ”میرے لیے اس کے لشکر میں داخل ہونا آسان ہے۔ میں ایک مجاہد کے علاوہ شگراش بھی ہوں۔ یہ کام میں نے اپنے عم سے سیکھا تھا اور جنگیز خان کے حملوں سے قبل میں تیغ زنی کی مشق کے علاوہ روزی کمانے کی خاطر شگراشی ہی کیا کرتا تھا۔“

جنگیز خان قتل کرنے میں عورت، مرد، بوڑھے، بچے، مسلح و ضعیف کے درمیان تمیز نہیں کرتا لیکن کاریگروں کی وہ عزت کرتا ہے اور انہیں اپنے حلقہ میں جگہ دیتا ہے۔ ایک شگراش کی حیثیت سے میں اس کے پاس جاؤں گا۔ اور امید ہے میں اپنا کام نکالنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔“

ابی سلوم نے دعا دینے کے انداز میں کہا۔ خداوندِ دو عالم تمہیں تمہارے نیک مقصد میں ضرور کامیاب کرے گا۔

آتنی دیر میں باہر مرینہ کی ممانی کی آواز سنائی دی اس نے مرینہ کو بلایا تھا۔ مرینہ بھاگتی ہوئی باہر نکلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹی اور دروازے پر کھڑے ہوتے ہوئے اس نے کہا۔ ”کھانا تیار ہے۔ پہلے کھالیں پھر اپنی گفتگو مکمل کر لیں۔“

سلاو نے کہا۔ ”یہیں لے آؤ بیٹی! یہیں سب اکٹھے بیٹھ کر کھا لیتے ہیں۔“
مرینہ کے وہیں کھانے کے برتن لگا دیے اور سب مل کر کھانے لگے۔ کھانے کے بعد ابی سلوم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”خلید! خلید! اب تم آرام کرو بیٹے! کل بیچ تمہیں یہاں سے کوچ بھی کرنا ہے۔“

سب اٹھ کر باہر چلے گئے۔ خلید دیوان خانے میں لگے بستر پر لیٹ گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ گری نیند سو رہا تھا۔

دوسرے روز صبح کسی نے خلید کا شانہ پکڑ کر بلایا۔ خلید اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دیوان خانے کے اندر جلتنی شعل کی خباں کو درویشی میں اس نے دیکھا مرینہ اس کے پاس کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اور شہر کے اندر سے فجر کی اذانیں سنائی دے رہی تھیں۔

مرینہ نے بھرپور محبت اور چاہت میں کہا۔ ”اٹھیے نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ میں

نے آپ کی تیارں مکمل کر دی ہے۔ آپ کے گھوڑے پر زین ڈالی جا چکی ہے۔ آپ کے گھوڑے کی خرچیں میں آپ کے لیے میں نے زادِ راہ بھی ڈال دیا ہے۔ آپ اٹھیں میں آپ کے نکلنے کے لیے پانی رکھاؤں ہوں۔

خلید اٹھ کھڑا ہوا۔ مرینہ کی راہنمائی میں اس نے ناکر فجر کی نماز ادا کی پھر ابی سلوم، سلاذ، مرینہ اور اس کی ممانی کے ساتھ اس نے ناشتہ کیا پھر وہ سب اس کے ساتھ اصطبل میں آئے۔ خلید نے جب اپنے گھوڑے کی باگ تھامی تو ابی سلوم نے انتہائی شفقت سے کہا۔ 'خلید! خلید! میں نہیں جانتا مرینہ سے متعلق تمہارے خیالات اور احساسات کیا ہیں لیکن جو کچھ مرینہ نے اپنی ممانی سے کہا ہے اس کی دشمنی میں ہم سب نے دل کر ایک فیصلہ کر لیا ہے بیٹے! اگر تمہارا کوئی گھراؤ ٹھکانہ نہیں رہا تو کیا تمہارے اہل خانہ کے مرنے کا سخت صدمہ ہے۔ آج سے یہ گھر تمہارا ہے اور مرینہ اس گھر میں تمہاری امانت ہے۔ تم بس جاؤ اس سے شادی کر سکتے ہو۔'

خلید نے بڑی ممنونیت سے کہا۔ میں آپ لوگوں کا احسان مند ہوں۔ مرینہ کی رفاقت یقیناً میرے لیے سکھ کا پیغام اور میری تاریک زندگی میں روشنی کی ایک شعل ثابت ہو گی۔ میں ایسی رفیقہ پر ہمیشہ فخر کروں گا۔ منگولوں کے شکر میں نہ جانے میرے لیے حالات کیسے ہوں۔ اب جب کہ آپ سب لوگ مرینہ کو میرا ساتھی بنا چکے ہیں، میرے پاس کچھ اثاثہ ہے کیا میں اسے مرینہ کے محلے کو لے کر سکتا ہوں۔ اس طرح اسے یہ احساس نہ ہونے پائے گا کہ وہ مردیں اپنے ال باپ کے گھر کے بجائے نیا پور میں اپنے نانکے ہاں رہتی ہے۔

اس بار مرینہ کے ماموں سلاذ نے کہا۔ 'تمہیں اس کی اجازت ہے بیٹے! اب مرینہ تمہاری امانت ہے تم ایک دوسرے پر مکمل بھروسہ اور اعتماد کر سکتے ہو۔ میں تو اس کے حق میں تھا کہ تم کچھ دن اور رکھتے تو ہم تم دونوں کی شادی کر دیتے لیکن بابا کا خیال ہے یہ شادی تمہاری واپسی پر انجام ہو۔'

خلید نے اپنے گھوڑے کی خرچیں میں ہاتھ ڈالا اور ایک بڑی چرمی تھیلی نکال کر اس نے ابی سلوم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ 'اس میں زیورات ہیں۔ یہ میری ماں نے

میری امد میرے بڑے بھائی کی شادی کے لیے پہلے ہی سے بنا کر رکھ لیے تھے۔'

ابی سلوم نے تھیلی کھول کر دیکھی۔ اس میں ڈھیر سارے زیورات کے اندر دو بھاری انگوٹھیاں تھیں۔ ابی سلوم نے ایک انگوٹھی نکال کر مرینہ کی انگلی میں پہنا دی۔ مرینہ بھاری شرم سے دوسری ہو گئی اور اس کی گردن جھک گئی تھی۔ ابی سلوم نے زیورات کی تھیلی بھی مرینہ کو تھمتے ہوئے کہا۔ 'یہ رکھ لو بیٹی! اب تم ہی ان کی امین ہو۔'

پھر خلید نے نقدی کی ایک تھیلی نکالی اور براہِ راست اس نے مرینہ کو تھمتے ہوئے کہا۔ 'یہ بھی رکھ لو۔ اس میں سنہری سکے ہیں جو تمہاری ساری زندگی کے اخراجات پورے کرنے کو کافی ہیں۔'

مرینہ نے چپ چاپ نقدی کی تھیلی خلید سے لے لی۔ خلید نے ابی سلوم اور سلاذ سے مصافحہ کیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ ایک گہری نگاہ اس نے باری باری سب پر ڈالی اور دروازے کی طرف چل دیا۔ ابی سلوم، سلاذ، مرینہ اور مرینہ بھی دروازے تک اس کے ساتھ آئے۔

خلید نے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اسے ایڑ لگا دی تھی۔ مرینہ بھاری دروازے پر کھڑی اسے اپنی نگاہوں سے ادھول ہوتے دیکھ رہی تھی۔



گرمیاں گزارنے کی خاطر چنگیز خان اپنے لشکر کے ساتھ کوہستان ہندو کش کی شجر پوش بند یوں پر خیمہ زن ہوا تھا۔ چوٹیوں سے نیچے وادیوں تک اس کے لشکر کے جیسے نصب تھے۔ ان وادیوں کے اندر چنگیز خان نے قیدیوں کو گندم کی کاشت پر لگا دیا۔

ان قیدیوں میں امیر فقیر قاضی اور غلام سب ہی طرح کے لوگ شامل تھے۔ اس کے لشکر کی پامال دہابروں کے ریشمی شامیانوں میں آرام کرتے تھے جب کہ ترک، اتا، ایک اور ایرانی امرا کے بیٹے ان کی ساتی گری کرتے تھے۔ دنیا کے اسلام کی مظلوم و بے سہارا عورتیں منگولوں کے پڑاؤ میں بے نقاب ماری ماری پھرتی تھیں۔

گیہوں کے کھیتوں میں کام کرنے والے مسلمان مزدور وحشت زدہ آنکھوں سے

انہوں نے تو دل کو دیکھتے۔ ان کا شت کرنے والوں کے پاس سرپوشی بھر کے چھپتے ہوئے شکل سے باقی رہ گئے تھے اور اپنے منگول آقاؤں کو کھانا کھلانے کے بعد وہ کتوں کے ساتھ بچے کچھے کھانے کے لیے چھین جھپٹ کرتے تھے۔

سرخ بالوں والا چنگیز خان اپنے بڑے چیمے میں بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ہاتھی دانت سے مرصع جریب تھا۔ اس جریب کی شکل ایک چھوٹے سے عصا کی تھی۔ وہ اس وقت مسلمانوں کے عظیم حکمران محمد غوازم شاہ کے اس نہری تخت پر بیٹھا ہوا تھا جو وہ سمرقند سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس تخت پر غوازم شاہ کا تاج اور شاہی عصا بھی رکھا ہوا تھا۔

اس کے خیمے میں اس کے بیٹے چغتائی، اورغلائی اور توپائی ادا اس کے مشہور زمانہ جرنیل بیٹھے تھے اور خیمے کے وسط میں دبیز قالین پر ایک مغنیہ بیٹھی گارہی تھی۔ اس کی پیٹھ دروازے کی طرف تھی۔

وہ مغنیہ سستی سحر کی طرح حسین، خاموش شام کی طرح پُرکشش، سانگی صبح کی طرح دل نواز اور حسین چاندنی رات کی طرح سحر انگیز تھی۔ وہ بربط بہاتے ہوئے گارہی تھی۔ اس کا لہجہ عربی تھا اور وہ دھیمی دھیمی صدی کے سے انداز میں کوئی گیت گارہی تھی۔ اس کی آواز ضیا دوزخ میں ادا دایوں میں بکتی جلتی گیت کی طرح ابھر ڈوب رہی تھی۔ اس کے گانے کے بل اس کی آواز کی شیرینی ادا اس کے جسم سے اٹھتی ہوئی خوشبو، شمیم، مہک اور باس سے ہم آہنگ ہو کر غم دل کا تریاق بن رہی تھی۔

وہ گارہی تھی لیکن خود انتہائی اُدا اس اور اس قدر تھی جیسے وہ منگول سردار کا دل بہلانے کی خاطر نہیں بلکہ اپنے دل کے معبود کا نغمہ گارہی ہو اور اپنی روح کے مومعہ کا آئینہ بجا رہی ہو۔

ایک گیت ختم کر کے جب وہ حسین مغنیہ خاموش ہوئی اور دوسرے گیت کی تیاری کرنے لگی تو چنگیز خان کے بیٹوں کے پاس بیٹھا ڈھلی ہوئی عمر کا ایک بارش آدمی اٹھ کھڑا ہوا۔ چنگیز خان نے فوراً اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "حکیم غمداں کیا تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

اس حکیم غمداں نے منسوب ہو کر کہا: "اے زمین پر خدا کی قوت! کیا میں نے آپ کی کوئی خدمت کی ہے اور وہ آپ کی نگاہوں میں قابلِ تالش ہے۔"

چنگیز خان نے کہا: "ہاں! تم نے میری آنکھوں کا علاج کیا اور میں اچھا ہو گیا۔ ورنہ اب تک میں اندھا ہو چکا ہوتا اور حالات کی اس شیرینی اور وقت کی اس خوشبو سے لطف اندوز نہ ہو سکتا۔ اگر تم کوئی چیز طلب کرنا چاہتے ہو تو بلا جھجک کہو۔"

حکیم غمداں نے کہا: "اے آقاؤں کے آقا! یہ مغنیہ مجھے سوئپ دی جائے۔ میں اسے اپنی بری بناؤں گا۔"

اس نوجوان مغنیہ نے کھا جانے والی نگاہوں سے حکیم غمداں کی طرف دیکھتے ہوئے خاموش احتجاج کیا۔

چنگیز خان نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہوئے کہا: "تمہاری خدمات کے صلے میں یہ

مغنیہ میں نے تمہیں سوئپ سنو! میرے لشکر میں ابھی تک اسے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔

یہ اچھوتی ہے اس لیے کہ اس کی آواز میں شہد و خوشبو ہے اور میں اس کے جسم کی نسبت

اس کی آواز کی طرف زیادہ مائل رہا ہوں۔ اسے تمہیں سوئپ جانے کے ساتھ ایک شرط بھی ہے۔

اسے تم اپنے ساتھ اپنے خیمے میں رکھو۔ ایک ہفتے کے اندر اندر اگر اسے تم اپنی طرف مائل

کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس سے تمہاری شادی کر دی جائے گی اور اگر تم اسے اپنی طرف

مائل نہ کر سکتے تو اس سے تم شادی نہ کر سکو گے اور سنو! یہ تمہاری بیوی بن جائے یا نہ بن سکے

یہ اسی طرح معمول کے مطابق ہر روز میرے خیمے میں آکر گاتی رہے گی۔ اس پر کوئی سختی اور

زیادتی نہ کرنا کہ میں نے ہمیشہ اسے عزیز رکھا ہے اس لیے کہ۔۔۔

چنگیز خان کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کیوں کہ اس شامیانہ نما بڑے خیمے کے

دروازے پر اس کا ایک محافظ نمودار ہوا تھا۔ چنگیز خان نے سوالیہ انداز میں اپنے

محافظ کی طرف دیکھا۔

جواب میں وہ محافظ چنگیز خان کی طرف دیکھتے ہوئے کمان کی طرح جھکا اور منسوب

آواز میں اس نے کہا: "اے تاجدارِ زرین خیل! باہر ایک سنگتراش کھڑا ہے۔ وہ

وہ

نیشاپور سے آیا ہے اور آپ سے ملنے کی خواہش رکھتا ہے۔

چنگیز خان نے تیزی سے پہلو بٹلتے اور اپنا عصا فرش پر بچھے ویر قالمین پر مارتے ہوئے کہا۔ اسے امداد بھیجا کروہ اچھا سنگتراش ہے تو ہم اس سے کام لیں گے۔ وہ محافظ مڑا اور مودب ہوتا ہوا باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد خیمے میں خلید داخل ہوا۔ اس کے موٹے سوت کے کپڑے وصول سے اُٹے ہوئے تھے۔ اور اس کے سر پر رکھے آہنی خود پر بھی گرد کی تہ جمی تھی۔

چنگیز خان چند ثانیوں تک بڑے انہماک اور غور سے خلید کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ تم مجھے سنگتراش کم اور تیغ زن زیادہ لگتے ہو۔

خلید نے کہا۔ ایک اچھا سنگتراش ہونے کے علاوہ میں ایک عمدہ تیغ زن بھی ہوں۔ اس لیے کہ تلوار زن میرا آبائی پیشہ ہے اور سنگتراشی میری روزی کا ذریعہ رہا ہے۔ میرا نام خلید ہے۔ میں دونوں میں کمال و مکمل دسترس رکھتا ہوں۔

چنگیز خان نے ذرا سخت لہجے میں پوچھا۔ کیا تم دونوں کا امتحان دینا بھی پسند کرو گے؟ خلید نے کہا۔ جب آپ چاہیں، میں اس امتحان میں پورا اُتر دوں گا۔

چنگیز خان نے پھر پوچھا۔ اپنے سنگتراش ہونے کا ثبوت کب تک دے سکتے ہو؟ خلید نے بڑے اطمینان اور سکون سے کہا۔ آنے والی صبح تک اور تیغ زن کا جب آپ چاہیں۔

چنگیز خان نے کہا۔ اگر میں ابھی اور اسی وقت چاہوں، تب؟ خلید نے کہا۔ میں تیار ہوں۔

چنگیز خان نے کہا۔ میں اپنے محافظوں میں سے جو سب سے کم تر ہے اسے بلاتا ہوں۔ اگر تم اس سے بھی جیت گئے تو میں سمجھوں گا تم ایک اچھے اور خطرناک تیغ زن ہو۔

خلید نے کہا۔ یہ میری توہین ہے۔ آپ اپنے محافظوں یا اپنے لشکر سے اسے بلائیے جو سب سے عمدہ و اعلیٰ تیغ زن ہو۔

چنگیز خان نے فیصلے انداز میں خلید کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے اپنے قریب رکے

لکڑی کے مضرب سے پتیل کے ایک طشت پر ضرب لگائی۔ ہوا خیمہ آواز کی گہری گونج سے بول اٹھا۔ اسی وقت دھواں سے پر ایک محافظ نمودار ہوا اور چنگیز خان نے اس سے کہا۔ اوتائی کو بھیجو، اسے کہو پوری طرح مسلح ہو کر آئے ایک اجنبی و نووارد سے اس کا تیغ زن کا مقابلہ ہوگا۔ وہ محافظ سر جھکا کر لوٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد خیمے میں ایک خوب مسلح منگول جوان داخل ہوا۔ چنگیز خان نے خلید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس جوان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے اوتائی! یہ جوان بنیادی طور پر ایک سنگتراش ہے لیکن تمہیں تیغ زن میں مقابلے کی دعوت دیتا ہے۔ سنو! مقابلے میں اسے کوئی نقصان نہ پہنچانا۔ اس لیے کہ ایک سنگتراش کی حیثیت سے ہیں اس کی ضرورت ہے۔ بہتر ہوگا کہ اس کی تلوار کاٹ کر اسے زیر کر لو۔

اوتائی جھکا اور اثبات میں اس نے گردن خم کر دی۔ حسین مغیبا اپنی جگہ سے اُٹھ کر دائیں طرف کی نشستوں پر بٹھیں تھیں اور پھر چنگیز خان کے اشارہ کرنے پر مقابلہ شروع ہو گیا۔ شروع میں دونوں ہی ایک دوسرے پر بڑھ چلے اور سست روی سے وار کرتے رہے پھر چانک ہی وہ دونوں طوفانی شکل اختیار کر گئے تھے اور ایک دوسرے پر دھواں دھار جانے لگے۔

اوتائی نے کئی بار اپنی انتہائی کوشش کی کہ خلید کو کسی اچھے زاویے پر لاکر اس کی تلوار کاٹ دے لیکن خلید نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا تھا۔ وہ خلید کو زیر کرنا چاہتا لیکن اپنی تسخیر و ریاضت میں ایک پر تلاطم دریا اور کسی نقش گہ کی طرح اس پر غالب آتا دکھائی دے رہا تھا۔

اچانک چنگیز خان کے خیمے میں خلید نے ایک وحشی لعرہ مارا اور اس کے ساتھ ہی اس نے پینٹر بدلا اور اپنی تلوار ذرا بائیں طرف کا خم دے کر اسے پوری قوت سے دائیں جانب گرایا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اوتائی کی تلوار کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ خیمے میں ایک سحر آفرین خاموش طاری ہو گئی تھی۔ اوتائی اپنی کٹی ہوئی تلوار کا دستہ اپنے ہاتھ میں لیے بے بسی کی حالت میں کھڑا تھا۔

جنگیز خان کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے مسجد نچال کے جھنکوں سے مندر کا پر
 کر رہا ہو۔ اپنے سر کی ایک جھٹکا دے کر سادہ جھکنے کے سے انداز میں جنگیز خان منہ بولا اور
 تو صوفی انداز میں اس نے غلیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تم نے جو دعویٰ کیا سچ کیا۔ لیکن تمہارے
 متعلق میرا فیصلہ بھی درست ہے کہ تم سنگتراش کے بجائے ایک عمدہ تیغ زن لگتے ہو۔
 غلیہ نے کہا۔ آپ بے فکر رہیں۔ میں سنگتراشی میں بھی ایسا ہی ثابت ہوں گا اس
 کا ثبوت بھی میں کل صبح تک مدوں گا۔ بشرطیکہ مجھے ایسی جگہ ٹھہرایا جائے جہاں سرخ پتھر کی
 چٹانیں ہوں جو اس کو ہتائی سلیسے اور آپ کے خیموں کے اندر جگہ جگہ موفہ ہیں۔
 حکیم غمدان نے کہا۔ سرخ پتھر کی چٹانیں تو میرے خیمے کے پاس ہی ہیں۔
 جنگیز خان نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ اے حکیم غمدان! تو پھر سنگتراش
 جو ان تمہارے ہی خیمے میں قیام کرے گا۔

حکیم غمدان نے خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ میرا خیمہ بہت بڑا ہے اور
 وہاں اس سنگتراش اور تیغ زن کی موجودگی میرے لیے اطمینان اور دل جمعی کا باعث ہوگی۔
 چند ثانوں تک خیمے میں خاموشی رہی جیسے جنگیز خان نے ہی توڑتے ہوئے پھر
 غلیہ کو مخاطب کر کے کہا۔ اے ستودہ صفات جوان! لوگ میرا نام سن کر خوفزدہ ہوتے
 ہیں۔ تمہاری یہی بیباکی میرے لیے اطمینان اور خوشی کا باعث ہے کہ تم ایک لمبی مسافت
 کر کے میرے پاس آئے ہو۔

پھر جنگیز خان نے اپنے پہلو میں رکھی نقدی کی تھیلیوں میں سے دو تھیلیاں اٹھائیں
 اور انہیں غلیہ کے قدموں میں پھینکتے ہوئے کہا۔ یہ دونوں تھیلیاں اٹھاؤ۔ ان میں سے ایک
 اس لیے ہے کہ تم نے اتنا ہی کو بے ضیاعہ انداز میں زیر کر کے مقابلہ جیتا اور دوسری تمہارے ہند
 مرہ کے گنارے کے لیے ہے۔

غلیہ نے دونوں تھیلیاں اٹھا کر اپنی چرمی پٹری سے باندھ لیں۔ جنگیز خان نے
 اس بار خیمے میں کھڑے اقدائی سے کہا۔ تم جا سکتے ہو۔
 اقدائی خاموشی سے باہر نکل گیا۔ پھر جنگیز خان نے حکیم غمدان کی طرف دیکھتے

ہوئے کہا۔ تم اس نوجوان کو جس نے اپنا نام غلیہ بتایا ہے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اس کا ہر طرح
 سے خیال رکھو اور اس کی ہر ضرورت کی دیکھ بھال کرو۔
 حکیم غمدان نے عاجزی کے انداز میں کہا۔ کیا میں اس مغنیہ کو بھی جس کا نام طروب ہے
 اپنے ساتھ لے جاؤں۔ کیوں کہ اسے آپ مجھے بخش چکے ہیں اور میں اسے اپنے ساتھ اپنے خیمے
 میں رکھنے کا مجاز ہوں۔

جنگیز خان نے کہا۔ ان تینوں اس کی اجازت ہے۔
 پھر اس نے خود ہی مغنیہ طروب سے کہا۔ جاؤ تم بھی اس حکیم غمدان کے ساتھ جاؤ۔
 حکیم غمدان کے چہرے پر مسرت کا مہابی اور فتح مندی کے آثار تھے۔ وہ غلیہ اور مغنیہ
 طروب دونوں کو لے کر جنگیز خان کے خیمے سے باہر نکل گیا تھا۔



حکیم غمدان کا خیمہ کافی بڑا تھا جو گھوڑے اور اونٹ کی کھالوں سے بنا تھا اور اسے
 تین بڑے کمرہ نما حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک حصے میں ادویات تھیں اور اسے تو شک
 غلنے کے طوع پر بھی استعمال کیا گیا تھا۔ دوسرا حصہ حکیم غمدان کی خواب گاہ تھا اور تیسرا دیوان
 غلنے کے طور پر استعمال ہوا تھا۔ حکیم غمدان غلیہ اور طروب کو لے کر اسی دیوان غلنے میں آیا۔
 دیوان غلنے کی نشستوں پر بیٹھے ہی غلیہ نے حکیم غمدان سے پوچھا۔ آپ کون ہیں اور
 کس سلیسے میں جنگیز خان کے لشکر میں مقیم ہیں۔

حکیم غمدان نے کہا۔ میں سمرقند کا رہنے والا ہوں۔ شہر کی فتح کے بعد میں ملگروں
 کے ہاتھوں لگ گیا۔ ایک حکیم کی حیثیت سے انہوں نے میری عزت افزائی کی۔ کچھ عرصہ
 میں ان کے لشکر میں کام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ جنگیز خان آشوب چشم کا شکار ہو گیا۔ میں نے
 اس کا علاج کیا اور وہ ٹھیک ہو گیا۔ اس خدمت کے صلے میں اس سے میں نے آج اس مغنیہ کو
 مانگا اور اس نے خوشی سے میرے حوالے کر دیا۔

اس مغنیہ نے بیچ میں بولتے ہوئے کہا۔ اے بزرگ حکیم! تم غلط بیانی اور لذت سے
 کام لے رہے ہو، اس نے مجھے تمہارے حوالے نہیں کیا۔ اس شرط پر تمہارے ساتھ روانہ کیا ہے

کہ اگر تم ایک ہفتہ کے اندر اندر مجھے اپنی طرف مائل کر کے تو میری تمہارے ساتھ شادی کر دی جائے گی اور اگر تم ایسا نہ کر کے تو ایک ہفتہ بعد میرا تمہارا کوئی تعلق نہ ہوگا۔
خلید کچھ کہنے والا تھا کہ خیمے سے باہر کھٹکا ہوا پھر ایک جوان جو منگول تھا دیوان خانے کے دروازے پر نمودار ہوا اور حکیم غمدان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہم سنگتراش جوان کے لیے نیا خیمہ اور مغنیہ طروب کا خیمہ اکھاڑ کر یہاں لائے ہیں۔ یہ کہاں نصب ہونے چاہئیں؟ حکیم غمدان نے کہا۔ ”یہ دونوں میرے ہی خیمے میں رہ لیتے دوسرے خیموں کی کیا ضرورت تھی؟“

منگول نے حقارت سے کہا۔ ”ایسا خانِ اعظم کے حکم سے کیا جا رہا ہے۔“
حکیم غمدان خاموش ہو گیا۔ خلید اٹھ کر باہر آیا۔ اس کے پیچھے پیچھے طروب بھی دیوان خانے سے نکلی۔ خلید نے ایک سرخ رنگ کی چٹان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیمہ اس چٹان کے قریب نصب کر دو لیکن یہ خیال رکھنا بارش کی صورت میں چٹان کا پانی میرے خیمے میں داخل نہ ہو۔ ایک چھتر میرے گھوڑے کے لیے بھی بنا دینا۔“
خلید جب خاموش ہوا تو طروب نے کہا۔ ”میرا خیمہ بھی اس نو جوان سنگتراش کے خیمے سے متصل نصب کر دو۔“

خلید اور طروب دوبارہ خیمے کے اندر چلے گئے تھے اور وہ منگول مسلمان قیدیوں سے ان دونوں کے خیمے نصب کروانے لگے تھے۔

دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھتے ہوئے خلید نے طروب سے پوچھا۔ ”اے مغنیہ! تم کون ہو؟ کس غرض سے اور کیوں جنگیز خان کے لشکر میں داخل ہوئی ہو؟“
طروب چند ثانیوں تک خلید کو غور سے دیکھتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں آنسو اُڑ آئے اور بھرائی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔ ”میں دریائے آمون کے کنارے آد گنج شہر کی رہنے والی ہوں اور مسلمان ہوں۔ آہ! ان منگولوں نے میرے شہر پر حملہ کیا۔ میری قوم کے بہوتوں نے ایک عرصہ تک مزاحمت کی اور شہر کی حفاظت کی۔ کئی بار شہر کے لشکر نے باہر نکل کر منگولوں کو شکست دی لیکن شہر کا محاصرہ طویل ہونے کی صورت میں وہ نڈھال ہوتے گئے اور کہیں

سے بھی انہیں رسد و ملک اور خوداک نہ ملی۔ آخر وہ زیر ہو گئے۔

منگولوں نے ان سے مزاحمت اور اپنی شکستوں کا ایسا انتقام لیا کہ بچوں اور بوڑھوں تک کو انہوں نے ذبح کر دیا۔ پھر دریائے آمون کا رخ بدل کر انہوں نے آد گنج کی طرف کر دیا اور شہر کو صفحہ ہستی سے ہی مٹا دیا۔ مجھے اور چند کارگیروں کو زندہ چھوڑا گیا اور شہر کی کل آبادی کو خون میں نہلا دیا گیا۔ مجھے فخر ہے کہ میں نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا۔ میں اگر جا سکتی ہوں۔ جنگ درباب بجا سکتی ہوں تو اللہ اکبر کی صدائیں بلند کر کے میدانِ جنگ میں کمان اور تلوار بھی چلا سکتی ہوں۔“

طروب خاموش ہو کر خلید سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی کہ وہی منگول ایک بار پھر دروازے پر نمودار ہوا اور خلید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”دونوں خیمے نصب ہو گئے ہیں اور ان میں ہم نے کئی یوم کی خوداک بھی ڈال دی ہے۔“

وہ منگول جوان جب چلا گیا تو خلید نے حکیم غمدان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”میری قوم کے بزرگ! جنگیز خان کی آنکھیں ٹھیک کرنے کے بعد آپ نے مانگنا بھی تو کیا؟ اچھی ہی قوم کی ایک بیٹی کو اس سے مانگ لیا۔ کاش آپ کوئی ایسی چیز مانگتے، کوئی ایسا مطالبہ کرتے جس میں قوم کی بہتری، ملت کی فلاح ہوتی۔ جس قوم کے بزرگوں کی یہ حالت ہو اس قوم پر کیوں عذاب نازل نہ ہوگا۔ بخدا منگولوں نے مسلمانوں کو زیر نہیں کیا بلکہ اپنی کم نگاہی، نا عاقبت اندیشی اور بے پروائی سے خود مسلمانوں نے مسلمانوں کو زیر کیا ہے۔“

کاش یہ قوم سنہلے، کاش اس آوازہ ریوڑ جیسی قوم کی کوئی گڈ ریا حفاظت و رہنمائی کرتا۔ ہر طرف راکھ بکھری ہے۔ ہر طرف آگ اور خون ہے۔ شہروں اور قصبوں میں انسانی لاشیں مڑنے کی سڑاند ہے۔ خنہ سے اصفہاں اور اناطولیہ سے ہندو کش تک مسلم قوم میں تباہی پھیل گئی ہے۔ پھر بھی ہم خاموش ہیں اور ایک تماشاخی بن کر سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ کاش اس قوم نے جلال الدین سی کا ساتھ دیا ہوتا تو وہ ان بھید و بھول کو یہاں سے نکال باہر کرتا۔“

خلید جب خاموش ہوا تو طروب نے بڑی ہمدردی سے دھانے انداز میں پوچھا۔
 "آپ نے ہم سے تو پوچھ لیا لیکن آپ نے اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا کہ آپ کون ہیں کہاں
 سے آئے ہیں اور اس لشکر میں آنے کی کیا غرض و غایت ہے۔"

خلید وقتی طور پر جذباتی ہو گیا تھا لیکن وہ سنبھل گیا اور اپنی جگہ پر کھڑے ہوتے ہوئے اس
 نے کہا۔ "میں ایک سنگتراش کے علاوہ کچھ نہیں۔ بس میں صرف معذرت تلاش میں ان لوگوں
 میں آگن گھس ہوں۔ اس کے علاوہ یہاں آنے کا میرا کوئی مقصد نہیں ہے۔"

حکیم عثمان نے کہا۔ "تم کھڑے کیوں ہو گئے ہو بیٹھو، میں تمہارے لیے کھانا تیار
 کرتا ہوں۔"

خلید نے کہا۔ "نہیں میرا خیمہ نصب ہو چکا ہے اور اس میں وہ کھانے پینے کی اشیاء
 رکھ گئے ہیں۔ میں اپنا کھانا خود تیار کر سکتا ہوں۔"

خلید کے ساتھ جب طروب بھی اٹھ کھڑی ہوئی تو حکیم عثمان نے سختی سے پوچھا۔
 "تم کہاں جا رہی ہو تمہیں تو اسی خیمے میں رہنا ہے۔"

طروب نے سختی سے کہا۔ "اپنی زبان کو لگام دو۔ میں تمہاری بیوی نہیں کہ اس
 خیمے میں تمہارے ساتھ رہوں۔ خان کے حکم سے میرا اپنا خیمہ نصب ہو چکا ہے۔ میں اس
 میں رہوں گی۔ تم مجھے اپنی طرف مائل کر سکتے ہو تو کر دکھانا، پر ایک بات ذہن میں رکھنا میری
 مرضی کے خلاف اگر تم نے حد سے تجاوز کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا میں اس قدر عزت
 و جرات رکھتی ہوں کہ تمہاری گردن کاٹ دوں۔" خلید اور طروب خیمے سے باہر نکل گئے حکیم
 عثمان انہیں دیکھتا رہ گیا تھا۔

شام ہونے والی تھی۔ خلید اپنے خیمے میں آیا۔ خیمے میں ضرورت کی ہر شے کے
 علاوہ اس کے لیے بستر بھی لگا ہوا تھا۔ قریب ہی چمڑے کی چاندی کا ایک چھپر ہٹا دیا گیا
 جس کے نیچے اس کا گھوڑا بندھا تھا اور اس کے آگے لکڑی کی ایک چھوٹی سی ٹانہ میں
 چاہ ڈال دیا گیا تھا۔ گھوڑے کی زین اتار کر ایک طرف رکھ دی گئی تھی۔

خلید اپنے گھوڑے کے پاس آکھڑا ہوا اور اس کی گردن پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

میں طروب اس کے پاس آئی اور بڑی نرمی اور ہمدردی میں اس نے کہا۔ اے میری قوم کے
 فرزند! اگر میں تیرے پسکانا تیار کروں تو کیا تو کھالے گا؟

خلید نے کہا۔ "اے مغلیہ! میں تیرے ہاتھ کا پکا کھانا کھالوں گا۔"
 طروب اپنے خیمے میں آئی اپنا ملے کیا ہوا بستر اس کے خیمے کے اندر بچایا۔ اپنے خیمے کے
 اندر سے اس نے کھانے پینے کی اشیاء لیں خیمے سے باہر تھروں کا پتہ لہا بنایا اور اس میں آگ جلا
 کر وہ کھانا تیار کرنے لگی تھی۔

خلید نے اپنے گھوڑے کی زین سے بندھا سنگتراشی کا تیشہ اور دوسرے اوزار نکلے
 اور اپنے خیمے کے سامنے والی سرخ چٹان کو وہ اپنے انداز میں تراشنے لگا تھا۔ جب کھانا تیار ہو
 گیا تو طروب نے اسے بلایا۔ اس نے خاموشی سے اس کے ساتھ کھانا کھایا اور دوبارہ اپنے کام
 میں لگ گیا تھا۔

رات ہو گئی تھی۔ چاند اپنی پوری آب و تاب سے مشرقی آفتاب سے نمودار ہوا تھا اور
 ہر شے کو چاندنی میں نہلا گیا تھا۔ کائنات کی ہر شے رنگ و نور میں ڈوب گئی تھی۔ چاندنی رات
 میں خلید اپنے کام میں بڑی طرح مصروف تھا۔ وہ اپنے اندازوں سے سرخ چٹان پر بڑی تیزی سے
 کام کر رہا تھا کہ طروب اپنے خیمے سے نکلی اس کے ہاتھ میں بربط تھا۔ خلید کے قریب ہی ایک
 پتھر پر آکر وہ بیٹھ گئی۔ چند ثانیوں تک وہ بربط بجاتی رہی۔

خلید نے ایک بار اسے غور سے دیکھا۔ دوبارہ وہ اپنے کام میں مشغول ہو گیا تھا۔
 بربط بچانے کے ساتھ ساتھ طروب نے گانا بھی شروع کیا۔ وہ جو گیت گارہی تھی وہ سمرقند
 کی تھا ہی، بخارا کی بربادی، مرو کی ویرانی اور دیگر اسلامی شہروں کی بد حالی کا مدناک گیت تھا۔
 گیت طروب اپنے غم دل سے نقاب اتار کر گارہی ہے۔ اس کی جذباتی انگلیاں بربط کے میل
 رہی تھیں جب کہ اس کے خوب صورت ہونٹ ایسی زمزمہ خانی کر رہے تھے کہ گیتا اس کے
 دھناک گیت پر دشت و کسار دوڑے ہوں۔ بزمہ تن بیوہ ماتم کہنے لگے ہوں اور زمین کے
 نگران عناصر راہ و زاری پر مجبور ہو گئے ہوں۔

اچانک بربط بچنا بند ہو گیا اور طروب کے گیت کی آواز بھی ڈوب گئی۔ پھر خلید

نے صاف محسوس کیا کہ طروب سبکیاں اور ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ اس مسافر کی طرح جو اپنے احباب سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ رہا ہو۔

خلید اپنا تیشہ رکھ کر قریب ہی پتھر پر بیٹھی طروب سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ناگاہ طروب کی آنکھیاں پھر ربط سے کھیلنے لگیں اور وہ دوبارہ تیشہ سنبھال کر کام کرنے لگا۔

طروب دوبارہ گارہی تھی اس کی آواز میں پھر سحر طرازی اور غم و سوز تھا۔ وہ مگر دل شکستہ کی غماز آواز میں اپنی قوم کی سربمیت و کمزوری اور شکست و ریخت کا بھرپور نقشہ کھینچ رہی تھی۔ اس کی پرسوز آوازیں کے سکون اور خاموشی میں یوں بکھر رہی تھی جیسے زندگی کی تلاطم خیز موجوں میں طمانیت سے عاری روحیں چیخ چلا رہی ہوں۔

طروب کافی دیر تک گاتی رہی پھر وہ اپنا ربط اٹھائے خلید کے پاس آئی۔ رات اب گہری ہو گئی تھی۔ طروب چند شانیدوں ان نقوش کو دیکھتی رہی جو سرخ چٹان پر خلید نے اُبھائے تھے۔ پھر اس نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔ "اے سنگتراش! اس سرخ چٹان پر جنگیز خان کو خوش کرنے کی خاطر تم کیا بناؤ گے؟"

"خلید نے کہا۔ "اے میری قوم کی بیٹی! صبح تک جب میں اس کام کو مکمل کر چکوں گا تو تم میرے اس کام کو دیکھ کر خود ہی حیران رہ جاؤ گی۔"

طروب نے حیرت و تعجب سے پوچھا۔ "اس بار تم نے مجھے پہلے کی طرح مغنیہ کہہ کر یوں نہیں پکارا۔"

خلید نے کہا۔ "جو لڑکی اپنی قوم کے لیے پُر خلوص و فکر منداور اس کے متعلق اس کے احساسات و جذبات محبت و جان نثاری پر مبنی ہوں ایسی لڑکی کو مغنیہ کہہ کر پکارنا اس کی توہین ہے۔ طروب! طروب! تم مسلم قوم کے لیے درمند دل رکھتی ہو۔ تم عظیم و قابلِ عزت ہو۔"

طروب نے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "کاش میں اپنی قوم کے لیے کچھ کر سکتی کاش میں ان مجاہدوں کی ہی خدمت کر سکتی جو دم گاہوں میں اپنا خون بہا کر اپنی قوم کی عظمت اور ملت کی سطوت کو بلند و ارفع رکھنے کی سعی و جدوجہد کرتے ہیں۔ خلید! خلید! میرا دل کتا ہے، آپ بھی بیٹریوں کے اس شکر میں یوں ہی داخل نہیں ہوئے۔ آپ مجھے سنگتراش

کم اور سرتراش زیادہ لگتے ہیں۔ مجھے خبر ہے آپ مجھے نہیں بتائیں گے کہ آپ کس مقصد کے تحت اس شکر میں داخل ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود میری دعا ہے کہ آپ کامیاب رہیں۔

خلید نے بڑی ہمدردی سے کہا۔ "میرا مقصد یہ تھا۔"

طروب نے کویدنے کے انداز میں پوچھا۔ "کیا میں جان سکتی ہوں۔ بیٹریوں کے اس شکر میں آپ کی آمد کا کیا سبب ہے۔ کاش میں اس قابل ہوتی کہ آپ کی کوئی مدد کر سکتی۔ آپ مجھ پر کمال اعتماد اور مہر و مہر کر سکتے ہیں۔"

خلید نے کہا۔ "تم سو جاؤ۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں صبح میں تمہیں اپنے یہاں تک آنے کے سارے واقعات کہہ دوں گا۔ تم ایسی لڑکی ہو جس پر اعتبار کیا جاسکتا ہے۔"

طروب نے کہا۔ "تو کیا آپ نہیں سوئیں گے؟"

خلید نے کہا۔ "میں جنگیز خان سے وعدہ کر چکا ہوں۔ صبح تک مجھے اپنے اس کام کو مکمل کرنا ہے۔"

طروب اٹھ کر سونے کے لیے اپنے خیمے میں چلی گئی۔ خلید پھر اپنے کام میں لگ گیا تھا۔



دھوپ کافی پڑھ آئی تھی۔ سرخ رنگ کی جس چٹان پر خلید نے نقش و نگار کھودے تھے۔ اسی سے ٹیک لگا کر وہ سو گیا ہوا تھا۔ ساری رات جاگنے کے باعث وہ گہری نیند سو یا ہوا تھا۔ سرخ چٹان پر جو اس نے نقش و نگار بنائے تھے۔ اس میں اس نے جنگیز خان کو خوارزم شاہ کے تخت پر بیٹھے دکھایا تھا اور اس کے سامنے اس نے طروب کو ربط بجاتے اور گاتے دکھایا تھا۔

طروب اور جنگیز خان دونوں کی شبیہ خلید نے بڑی محنت اور جانفشانی سے بنائی تھی اور وہ کسی سنگتراش کے ہنر و کسب اور ریاضت کا بہترین شاہکار لگتا تھا۔

خلید اسی طرح چٹان کے سامنے میں سویا ہوا تھا کہ طروب اپنے خیمے سے نکلی۔ خلید کے پاس بکھرے ہوئے وہ چٹان پر کھدے اپنے حسین خند و خال بڑے شوق و اہتمام کے ساتھ تھے

رہی پھر اس نے خلید کا شانہ کپڑا بچھوڑا۔ خلید اٹھ کھڑا ہوا اور آنکھیں ملنے لگا۔ پھر اس نے طروب کی طرف دیکھا جو اسے دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اس سے مرہم اور لبوں پر تریاق لگتا تھا۔

خلید نے اٹھتے ہوئے کہا: "شاید میں نے زیادہ دیر نیند کر لی ہے۔"

طروب نے پھولوں پر پھوڑا برساتی آواز میں کہا: "آپ ساری رات جاگتے رہے ہیں اس لحاظ سے تو آپ کچھ بھی نہیں سوئے۔"

خلید نے چٹان پر کھدے نقش و نگار کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "میرا یہ کام کیسا ہے؟" طروب نے خوشی و طرب میں کہا: "دشت و کسار میں ایک سنگتراش کا یہ عمدہ ترین ثمر و ریاضت ہے۔ میں آپ کو مبارک باد دیتی ہوں۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو آپ کی اس محنت و سعی کا صلہ و انعام بھی مل گیا ہے۔"

خلید نے حیرت سے پوچھا: "کیسا انعام اور صلہ؟"

طروب نے کہا: "صبح جب سورج طلوع ہو رہا تھا تو چنگیز خان ادھر آیا تھا۔ وہ شاید یہی دیکھنے آیا تھا کہ سنگتراش نے کیا کیا ہے۔ وہ سورج چٹان پر کھدے ان نقش و نگار کو دیکھ کر بے حد خوش ہوا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے بیٹے اور جرنیل بھی تھے۔"

پھر طروب نے اپنی کمرے بندھی نقدی کی ایک وزنی تھیلی کھولی اور خلید کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: "نقدی کی یہ تھیلی چنگیز خان آپ کے لیے انعام دے گیا تھا۔ وہ کافی دیر تک آپ کے بنائے ہوئے اس شاہکار کو غور و تعجب اور خوشی سے دیکھتا رہا۔ اس کے ایک جرنیل نے آپ کو جگانا چاہا لیکن چنگیز خان نے منع کر دیا۔ اس نے کہا تھا۔ شاید یہ رات پھر جاگ کر کام کرتا رہے۔ لہذا اسے سونے دو۔"

خلید نے نقدی کی تھیلی طروب کو واپس لوٹاتے ہوئے کہا: "نقدی کی یہ تھیلی تمہارے پاس ہی رکھو، جب مجھے ضرورت ہوئی میں تم سے لے لیا کروں گا۔"

طروب نے: "سنبھال لی اور چپکے ہوئے اس سے کہا: "اگر آپ مجھ پر اس قدر اعتماد ہی کر رہے ہیں تو اپنا وعدہ بھی پورا کیجئے جو رات آپ نے میرے ساتھ کیا تھا۔"

خلید نے حیرت سے پوچھا: "کیسا وعدہ؟"

طروب نے یوں دلائل کے انداز میں کہا: "وہی جواب نے کہا۔ آپ مجھ اپنے حالات

کا سنا میں سمجھے۔"

خلید نے ایک پتھر پر بیٹھتے ہوئے کہا: "بیٹھو میں تمہیں اپنے پورے حالات سنا دوں۔"

طروب اس کے کہنے پر ایک دوسرے پتھر پر بیٹھ گئی پھر خلید نے جلال الدین کے لشکر کا اپنا تعلق، مرو شہر کی طرف اپنا سفر، مرہنہ سے ملاقات اور چنگیز خان کے لشکر میں داخل ہونے کی غرض و غایت کے پورے حالات طروب کو کہہ ڈالے تھے۔

خلید کے حالات سن کر طروب چند ثانیوں تک خاموش اور آداس بیٹھی رہی۔ اتنے میں خلید نے اس سے پوچھا: "کیا مرو کے قلعہ دار مجیر الملک کی بیوی اور بیٹیوں کو اس لشکر کے اندر تلاش کرنے میں میری مدد کرو گی؟"

طروب نے ہنستے مزاج میں کہا: "آپ بے فکر رہیں۔ میں آج ہی سے ان سے تعلق پوچھ کر اور تلاش کا سلسلہ شروع کر دوں گی۔ چنگیز خان آپ کو ایک اور کام سونپ گیا ہے۔ اس نے مجھے کہا تھا، اس سنگتراش سے کہنا کہ ہرے رنگ کے سنگ مرمر سے میرا ایک ایسا مجسمہ بنائے جس میں اپنے گھوڑے پر میں سوار ہوں۔ میرے بائیں ہاتھ میں گھوڑے کی باگیں ہوں اور دائیں ہاتھ میں تلوار اور ہر کی طرف بلند ہو۔ تھوڑی دیر ہوئی مسلمان غلاموں کی مدد سے کچھ منگول جوان چنگیز خان کے کہنے پر ہرے رنگ کے سنگ مرمر کی ایک بڑی پہل بھی رکھ گئے ہیں۔ چنگیز خان نے کہا تھا ایک ہفتہ بعد پھر ادھر آئے گا اور اس وقت تک اس کا مجسمہ بنا ہونا چاہیے۔ وہ حکیم خمدان سے بھی کہہ گیا تھا کہ ایک ہفتہ بعد اگر یہ بھی دیکھے گا کہ تم مغلیہ کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہوئے ہو یا نہیں۔"

خلید چند ثانیوں تک گردن جھکائے سوچتا رہا پھر غور سے اس نے طروب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "کیا تم چنگیز خان کے لشکر میں انہی حالت پر خوش ہو؟" طروب نے دُکھ اور تاسف میں نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا: "بھیر یوں کے

اس لشکر میں میری حالت نفس میں بند پرندے جیسی ہے لیکن رب عظیم کا صد شکر کہ یہاں چنگیز خان کی مطربہ اور مغنیہ ہونے کی وجہ سے میری عزت محفوظ ہے۔ میں آج تک اس قابل ہوں کہ اپنے تقدس کی قسم کھا سکوں۔

خلید نے پوچھا: اگر میں تمہیں بھیڑیوں کے اس لشکر سے نکال لے جاؤں تو تم کہاں جانا پسند کر سکتی؟

طروب کی گردن جھک گئی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں تھیں اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "میرا شہر جو دیارے آموں کے کنارے تھا تباہ و برباد ہو گیا کہیں اور میرا رشتہ دار بھی نہیں، نہ ہی کوئی ٹھکانہ ہے۔ میں کہاں جاؤں گی۔ بہتر ہے میں چنگیز خان کے لشکر میں پڑی رہوں اور اپنی موت کا انتظار کروں۔ میرا کوئی ٹھکانہ نہیں جس کی میں آپ کو نشاندہی کر سکوں۔"

خلید کی گردن بھی جھک گئی تھی اور وہ گری سوچوں میں کھو گیا تھا۔ طروب نے اسے چونکاتے ہوئے کہا: "باتوں ہی باتوں میں مجھے خیال ہی نہیں رہا، میں آپ کے لیے کھانا تیار کر کے آپ کو جگانے آئی تھی۔ میں آپ کے لیے پانی بھی بھر کے رکھ آئی ہوں۔ اٹھیں نہا کر کھانا کھالیں۔" خلید اٹھ کھڑا ہوا اور خاموشی سے طروب کے ساتھ اس کے خیمے کی طرف چل دیا تھا۔



ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ خلید اپنے خیمے میں بیٹھا تھا اس کے سامنے ہرے رنگ کے سنگ مرمر سے چنگیز خان کا مجسمہ رکھا ہوا تھا جس میں اپنے گھوڑے پر سوار تھا بائیں ہاتھ میں اس نے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی اور دائیں ہاتھ میں تلوار فضا میں بند کر رکھی تھی۔ مجسمہ انتہائی خوبصورت تھا اور اس میں خوب صفائی اور چمک پیدا کی گئی تھی۔ خلید بڑی محویت سے مجسمے کو دیکھ رہا تھا کہ طروب بھاگتی ہوئی خیمے میں داخل ہوئی اور خلید کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے کہا: "میں آپ کے لیے ایک بڑی خبر لائی ہوں۔"

خلید نے چونک کر پوچھا: "کیسی بڑی خبر؟"

طروب نے کہا: "میں مجیر الملک کی بیوی اور بیٹیوں سے متعلق تفصیل موصول کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ ایک منگول سردار نے اس کی دونوں بیٹیوں کو بے آبرو کرنا چاہا لیکن ان دونوں بہنوں نے اپنے اپنے خنجر سے خودکشی کر کے اپنے آپ کو بے آبرو ہونے سے بچا لیا۔ ان کی ماں نے ان کے بعد پاگلوں کی سی حالت میں چند روز گزارے پھر وہ بھی بیٹیوں کے غم میں مر گئی۔ اس کے علاوہ ایک اور خبر بھی ہے شاید وہ بھی آپ کے لیے دل چسپی کا باعث ہو۔"

طروب کہتے کہتے رک گئی۔ کیوں کہ خیمے کے دروازے پر ایک منگول نمودار ہوا اور اس نے تنبیہ کرنے کے انداز میں کہا: "مستعد ہو جاؤ، خان زریں خیل تمہارے خیمے میں اپنا مجسمہ دیکھنے آرہے ہیں۔"

خلید اور طروب اٹھ کھڑے ہوئے اور خیمے سے باہر نکل آئے۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے چنگیز خان اپنے گھوڑے سے اُترا، اس بار اس کے ساتھ صرف اس کے محافظ ہی تھے اس کا کوئی بیٹا یا جرنیل اس کے ساتھ نہ تھا۔

خلید کے خیمے میں داخل ہو کر چنگیز خان کچھ دیر تک اپنے اس مجسمے کو بڑے انہماک اور انتہائی خوشی کے عالم میں دیکھتا رہا۔ پھر اس نے خلید کو نقدی کی ایک تھیلی دیتے ہوئے کہا: "نیلے جامدوں آسمان کی قسم اس مجسمے کے جو نقوش میں نے اپنے ذہن میں تیار کر رکھے تھے تم نے ان سے بھی کہیں خوب صورت انداز میں اسے تیار کیا ہے۔"

چنگیز خان نے اپنے محافظوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "اس مجسمے کو لے جا کر میرے خیمے میں رکھو۔ احتیاط سے نہیں گر کر ٹوٹ نہ جائے۔"

دو محافظ مجسمہ کو اٹھا کر لے گئے۔ چنگیز خان خیمے سے باہر آیا اور نیم: ان کے خیمے کی طرف منہ کر کے اسے پکارا۔ حکیم غمدان تیز تیز چلتا ہوا اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ چنگیز خان نے پوچھا: "کیا تم اس لشکر طروب کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہوئے ہو؟"

حکیم غمدان نے بڑی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "مجھے بڑا صدمہ ہے کہ طروب میری طرف مائل ہونا تو دور کی بات مجھ سے گفتگو تک کرنا پسند نہیں کرتی۔"

چنگیز خان نے غصے کی حالت میں کہا: "میں ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اورس کو

تغیر نہ کر سکیں۔ اس کے ساتھ ہی چنگیز خان نے اپنے ایک محافظ کو مخصوص اقلہ کیا۔ وہ محافظ حکیم محمدان کو پکڑ کر ایک طرف لے گیا اور تلوار مار کر اس کی گردن کاٹ دی۔ چنگیز خان کے سامنے آتے ہوئے کہا۔ "اے خانِ ندین خیل! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس سنگتراش جوان کے ساتھ رہ سکوں۔"

چنگیز خان نے مسکراتے ہوئے کہا: "تمہیں اس کی اجازت ہے۔ چنگیز خان اپنے محافظوں کے ساتھ چلا گیا۔"

خلید اور طروب خیمے میں داخل ہوئے۔ خلید نے پھر اپنی نشست پر بیٹھتے ہوئے پوچھا: "تم کوئی اور خبر کہتے ہو؟ خاموش ہو گئی تھی کہوں کہ چنگیز خان آگیا تھا۔"

طروب نے بڑی راز داری سے کہا: "منگول آنے والی رات یا کل دن کو یہاں سے کوچ کرنے والے ہیں۔"

خلید نے تفکر میں پوچھا: "کیوں؟"

طروب نے کہا: "چنگیز خان کے جاسوس خبر لائے ہیں کہ ہرات میں بغاوت ہو گئی ہے اور وہاں مسلمان مجاہدین نے ہرات کی حفاظت پر مقرر منگول لشکر کو تہ تیغ کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ کوہستان ہندو کش کے مشرق میں جلال الدین خوارزم شاہ ایک بہت بڑا لشکر جمع کر چکا ہے اور اب وہ کسی بھی وقت منگولوں پر تباہ کن ضرب لگا سکتا ہے۔ چنگیز خان اپنے بیٹے تلی خان کو ہرات کی بغاوت فرو کرنے کے لیے روانہ کر رہا ہے جب کہ خود چنگیز خان اپنے دوسرے بیٹوں اور جو نیولوں کے ساتھ جلال الدین کے استیصال کو روانہ ہو گا۔"

خلید نے کہا: "میں ابھی اوداسی وقت یہاں سے کوچ کر رہا ہوں اب میرا اپنے لشکر میں واپس جانا انتہائی اہم ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ میں کام کے لیے مجھے روانہ کیا گیا تھا وہ بھی ہو گیا ہے۔ مجیر الملک کی بیوی اور بیٹیاں مر چکی ہیں۔ اب میرا بیٹا رگنات ضرور ہے۔ اس کے علاوہ میں جلال الدین سے جا کر چنگیز خان کے کوچ کی خبر کہوں گا۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ میں مرین سے مل کر اپنے لشکر میں جاؤں گا لیکن اب میں یہ سب اپنے لشکر کو روانہ ہوں گا۔"

طروب پریشان ہو گئی اوداس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ خلید نے راز داری سے پوچھا:

"کہا تم میرے ساتھ جانا پسند کرو گے؟"

طروب نے دلی دلی مسکراہٹ میں کہا: "میں آپ کے ساتھ جانے سے کیسے انکار کر سکتا ہوں؟"

خلید نے اسے تسلی دینے کے انداز میں کہا: "طروب! طروب! تم فکر مند اور غم گین نہ ہونا۔ میں تمہیں تنہا نہ چھوڑوں گا۔ میں تم سے شادی کر لوں گا اور تمہیں ایک پڑ سکوں اور صاف ستھرا ماحول مہیا کر دوں گا۔"

خوشی سے طروب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اس نے بھیگی ہلکوں میں ادا کرتے ہونٹوں سے کہا: "آپ کی رفیقہ حیات کی حیثیت سے میں ہمیشہ اپنی ذات پر فخر کروں گی۔ بخدا آپ جیسے مجاہد کی رفقت اور خدمت بھی ایک عبادت ہے لیکن پہلے مرین سے آپ کی شادی ہوگی، اس کے بعد میں آپ کے نکاح میں آؤں گی۔ اس لیے کہ میری نسبت وہ آپ کی زیادہ مختار ہے۔"

خلید نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا: "تو پھر آؤ! جلدی کرو یہاں سے کوچ کریں۔ میں گھوڑے پر زین ڈالتا ہوں۔ تم ضروری اشیاء کسی کپڑے میں باندھ کر گھڑی بٹالو۔"

طروب نے فکر مندی سے کہا: "بھیر ٹیوں کے اس لشکر میں داخل ہونا آسان ہے لیکن یہاں سے نکلنا انتہائی مشکل اور دشوار ہے۔ لشکر کے زیادہ تر منگول اب آپ کو اور مجھے دونوں کو پہچانتے ہیں۔ نہ بھی پہچانتے ہوں تب بھی وہ ہر اس شخص سے سخت پوچھ گچھ کرتے ہیں جو لشکر سے باہر نکل رہا ہو۔ کیوں کہ لشکر میں ان گنت مسلمان غلام ہیں جن کی طرف سے منگولوں کو جاسوسی کا خطرہ ہے لہذا چنگیز خان نے اپنے لشکر کے چاروں اطراف میں محافظ مقرر کر رکھے ہیں جو ہر آنے جانے والے پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ آپ انہیں مطمئن کرنے کے لیے کیا کہیں گے۔"

خلید نے کہا: "مجھے خبر ہے لشکر کے چاروں طرف سخت پہرہ ہے۔ اگر ہم میں سے کسی نے پوچھا تو میں انہیں کہوں گا کہ میں چنگیز خان کا سنگتراش ہوں اور اس کا کوئی بے مثل مجسمہ بنانے کے لیے میں کسی اچھے اور عمدہ قسم کے پتھر کی تلاش میں ہوں۔ ایسی صورت میں وہ ہم دونوں سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔ تم بھی یہی بات کہنا بلکہ یہ اضافہ بھی کرنا کہ میں چنگیز خان کی مغنیہ طروب ہوں، اور

دی ادا لگے بڑھ گیا۔

خلید اور طروب بڑی تیزی سے مشرق کی طرف سفر کرتے رہے۔ شام سے تھوڑی دیر قبل جب کہ وہ کوہتانوں سے گھری ہوئی ایک وادی میں سفر کر رہے تھے ان کے پیچھے سے وہی دونوں منگول نمودار ہوئے جنہوں نے اپنے لشکر سے باہر ان سے پوچھ گچھ کی تھی۔ دونوں اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑاتے ہوئے جب قریب آئے تو خلید نے اپنے گھوڑے کو روک لیا ادا سے موڑ کر کھڑا ہو گیا۔

قریب آکر منگولوں نے اپنے گھوڑوں کو روکا پھر ایک نے قمر برساتی ٹکا ہوں سے خلید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ تم تو یہ کہہ کر لشکر سے نکلے تھے کہ تم بوگدو کے حبسے کے لیے کسی قیمتی پتھر کی تلاش میں نکلے ہو جب کہ تم لگا تار بڑی تیزی سے مشرق کی طرف سفر کرتے آئے ہو۔ کوئی ہمیں دھوکہ دے کر اور بچ کر نکل جائے یہ ممکن نہیں۔ ہم نے بڑی رازداری سے تمہارا تعاقب کیا اور آخر ہمیں آیا۔ ہم جانتے ہیں تم دونوں سلمان ہو اور تم دونوں کا منہ بھی جلال الدین خوارزم شاہ کے لشکر کی طرف ہے اور اب ہم تمہیں اس طرف جانے نہ دیں گے۔ طروب نے فوراً اپنی تلوار سنبھال لی۔ خلید پہلے ہی اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال چکا تھا۔ پھر وادی کے اندر خلید کی قمر برساتی آواز بلند ہوئی۔ شاید اہم تو صرف دو ہو تمہارے جیسے چھ منگول اور ہوں تو بھی وہ میری راہ نہیں روک سکتے، مجھے جلال الدین کے لشکر میں ہر حال ہر صورت میں جانا ہے۔ واپس لوٹ جاؤ اور مجھے جانے دو ورنہ یاد رکھو ان کوہتانوں، ان وادیوں کے اندر تمہاری رگوں سے سارا خون ادا تمہاری ہڈیوں سے گودا تک نکال باہر پھینکیں گے۔

ایک منگول نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ سنگتراش ہو کر گفتگو تو ایسے کرتے ہو جیسے تمہاری ساری عمر تیغ زنی اور جنگ میں گزر گئی ہو۔ جب ہم دونوں کی تلواریں تم پر برسیں گی تو ساری سنگتراشی، ساری صنایع بھول جاؤ گے۔

خلید نے کہا۔ اے دشت کے بھیڑیو! یہ تمہاری بھول ہے، یاد رکھو، جب میں سنگتراش سے سنگتراش بنا تو تم اپنے دفاع کا ہر حربہ اپنی مزا حمت کی ہزندہ بیر بھول

چنگیز خان مجھے اس سنگتراش کے حوالے کر چکا ہے۔ طروب نے خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ہاں ایسا کہنے سے ہم ضرور ان کے ہاتھوں سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ خلید نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ میں اپنے گھوڑے پر زین ڈالتا ہوں۔ تم بھی تیار ہو کر باہر آ جاؤ۔

خلید چھپرے بندے اپنے گھوڑے کے پاس آیا۔ جلدی جلدی اس پر زین کسی غولاک کا تو برا بھر کر زین سے باندھ لیا۔ اتنی دیر تک طروب بھی ضروری سامان ایک گھٹری میں باندھ کر باہر آ گئی۔ خلید نے اس سے گھٹری لے کر خرچہ میں ڈال دی۔ پہلے وہ خود گھوڑے پر سوار ہوا پھر اس نے طروب کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پیچھے بٹھار لیا اور گھوڑے کو اس نے ایڑ لگا کر مشرق کی طرف بانک دیا تھا۔

مشرق کی طرف جہاں چنگیز خان کے لشکر کے آخری خیمے تھے ان سے تقریباً ایک میل باہر کسی نے لدا کر کر خلید اور طروب کو روکا۔ خلید نے کسی گھبراہٹ، کسی پریشانی کے بغیر اپنے گھوڑے کو روک لیا۔

کوہستانی سلسلے کے پتھروں کے پیچھے سے دو منگول نمودار ہوئے وہ گھوڑے کے سامنے آ کر رکے اور خلید کو مخاطب کر کے کہا۔ تم کون ہو ادا اس لڑکی کو لے کر کہاں جا رہے ہو۔

دوسرے نے کہا۔ اس لڑکی کو تو میں جانتا ہوں، یہ بوگدو (چنگیز خان) کی مغنیہ ہے۔

خلید نے کہا۔ اور میں تمہارے بوگدو کا سنگتراش ہوں، میرا نام خلید ہے۔ تمہارا خان اس مغنیہ کو میرے حوالے کر چکا ہے۔ میں اس مغنیہ کو لے کر نکلا ہوں تاکہ کوئی قیمتی پتھر تلاش کر دوں اور اس سے تمہارے بوگدو کا مجسمہ بناؤں، اگر تمہیں کوئی شک ہو تو تم مجھے چنگیز خان کے پاس لے جا سکتے ہو۔

پہلے منگول نے فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ مغنیہ طروب کی خاموشی اس امر کی گواہ ہے کہ تم سچ کہتے ہو، لہذا تم جا سکتے ہو۔ خلید نے پہلے سے اطمینان کے ساتھ گھوڑے کو ایڑ لگا

جاؤ گے۔ اس کے ساتھ ہی خلید نے اپنے گھوڑے کا بڑا لگا کر آگے بڑھایا تھا۔
ایک لہر ایک ترنگ میں خلید نے آگے بڑھ کر دونوں منگولوں پر حملہ کر دیا تھا۔
ان دونوں سے ٹکراتے ہوئے وہ یوں لگ رہا تھا جیسے نزع باطل میں کوئی سفیر حق ابھرا ہو۔
دونوں منگولوں نے انتہائی کوشش کی کہ وہ خلید پر قابو پا کر اسے زیر کر لیں لیکن انہیں بڑی طرح
ناکامی ہوئی تھی۔

خلید ان کے وار روکنے کے بعد جارحانہ حملے کرتے ہوئے کسی غول و بندر جیلاں
مظلم، فتنے نقوش کی تصاندھی آمدھی اور شیعہ گر کی طرح اپنی چمکتی اور موت پاشی تلوار کے
ساتھ ان پر نازل ہوا تھا۔ اچانک خلید کی تلوار ان میں سے ایک کی پیلیوں پر لگی اور اسے
چیرتی کاٹتی بھل گئی تھی۔ دوسرے نے جو نہی چونک کر اسے بدحواس ہو کر اپنے مرنے والے
ساتھی کی طرف دیکھا، خلید کی تلوار دوبارہ ابھر کر پلک جھپکتے میں گری اور دوسرے کو بھی در
میں کاٹتی چلی گئی تھی۔

خلید اور طروب دونوں اپنے گھوڑے سے اترے۔ پہلے انہوں نے ان کے گھوڑوں
سے بندھے ہوئے سارے سامان کی تلاشی لی پھر خلید نے ان دونوں منگولوں کے گھوڑوں میں
سے ایک پر سوار ہو گیا اور دوسرے گھوڑے کی نگام زین سے باندھ لی۔

طروب اس موقع پر خلید سے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ خلید نے اسے مخاطب کرتے ہوئے
کہا: "طروب! طروب! فوراً میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور یہاں سے کوچ کر چلیں۔"
طروب جلدی جلدی خلید کے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ پھر دونوں نے اپنے گھوڑوں کو ابڑ
لگا کر ہانک دیا تھا۔



ایک روز خلید طروب کے ساتھ جلال الدین خوارزم شاہ کے لشکر میں داخل ہوا۔
اپنے گھوڑے کو اس نے جلال الدین کے خیمے سے باہر روکا۔ ابھی وہ اپنے گھوڑے کو ایک
درخت کے ساتھ باندھ ہی رہا تھا کہ خیمے کے اندر سے اسلام کا شیر دل فرزند اور جل ظلم
جلال الدین اور اس کا جرنیل امین الملک نکلتے اور مسکراتے ہوئے وہ خلید کی طرف بڑھے۔

خلید نے جلدی جلدی گھوڑا باندھا اور ان دونوں کی طرف بڑھا۔ طروب اپنے گھوڑے کے پاس
ہی کھڑی رہی۔

خلید نے آگے بڑھ کر دونوں سے مصافحہ کیا۔ جلال الدین نے ایک جھکی جھکی بنگاہ گھوڑے
کے پاس کھڑی طروب پر ڈالی پھر اس نے خلید سے پوچھا: "یہ لڑکی کون ہے اور جس مہم پر تم آئے
تھے اس کا کیا بنا؟"

ان دونوں کے سامنے کھڑے ہی کھڑے خلید نے مرینے سے ملاقات، مرو کے ترخانوں
سے مسلمانوں کی رہائی، نیشاپور تک کا سفر، وہاں سے بحیر الملک کی بیوی اور بیٹیوں کی
تلاش میں چنگیز خان کے لشکر میں دخول، چنگیز خان سے گفتگو، طروب سے ملاقات، بحیر الملک
کی بیوی اور بیٹیوں کی مرگ، حکیم غمدان کی موت، چنگیز خان کے بیٹے تولی کی بہت اور چنگیز خان
کی جلال الدین کی طرف بغاوت کی تیاری اور طروب کے ساتھ چنگیز خان کے لشکر سے فرار کی پوری
داستان تفصیل سے سنائی تھی۔

بحیر الملک کی بیوی اور بیٹیوں کی موت کا سن کر چنگیز خانوں تک امین الملک آنکھیں
بند کیے اپنے ہونٹ کاٹا رہا جب کہ جلال الدین بڑی بے بسی اور ترسم کے جذبے سے اس کی
طرف دیکھتا رہا پھر اس نے امین الملک کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہمدردی سے بھرپور
آواز میں کہا۔

"صبر! صبر! امین الملک صبر! افراط و تفریط اور پتہ شوب اس دور میں صبر اور
استقامت ہی ہیں اپنے پاؤں پر کھڑا کر رکھتے ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں میرا شہنشاہ باپ بھیر
خزر کے ایک انجان سے جزیہ میں گنہگار کی موت مارا گیا اور میری ماں چنگیز خان کی قید
میں ہے۔ صبر! امین الملک صبر!"

امین الملک نے فوراً اپنے آپ کو سنبھال لیا اور جلال الدین کی طرف دیکھتے ہوئے
اس نے کہا: "اے آقا! میں ہر حال میں آپ کے ساتھ ہوں۔ کوئی بھی مدد مجھے اپنے فرائض
سے آنکھیں بند کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔"

جلال الدین نے کہا: "اگر چنگیز خان ہماری طرف بڑھا تو راستے میں کو جتان بلانے کے

اندر ہمارا شہر بامیان پڑے گا، لہذا ہمیں اس شہر کی حفاظت کا انتظام کرنا چاہیے، مگر اس شہر سے باہر دشمن کے ساتھ ہمیں چھاپہ مار جنگ کی تیاری کرنا ہوگی۔ مجھے اُمید ہے ہم چنگیز خان کو ان کو ہتھوں کے اندر ذلت آمیز شکست دیں گے۔

جلال الدین خاموش ہوا پھر خلید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”طروب کے متعلق ہمارا کیا خیال ہے؟“

خلید نے کہا: ”یہ میرے ساتھ رہ کر جنگوں میں حصہ لے گی۔“

جلال الدین نے امین الملک سے کہا: ”ان دونوں کے آرام کا بندوبست کرو۔“
امین الملک، خلید اور طروب دونوں کو خمیوں کے شہر میں ایک طرف لے گیا تھا۔



اس موسمِ خزاں میں چنگیز خان نے اپنے بیٹے تولی کو ہرات کی بغاوت فرو کرنے کے لیے مغرب کی طرف روانہ کیا اور خود اس نے ایک ہزار لشکر کے ساتھ جلال الدین کی طرف کوچ کیا۔

مشرق کی طرف سفر کرتے ہوئے، اکوہتاں بابکے بیچوں بیچ گزرتے ہوئے چنگیز خان بامیان شہر کے سامنے آنوار ہوا۔ اس نے اس شہر کی وسعت اور اس کی مضبوط صاف ستھری فصیلوں کو دلچسپی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ یہاں اس کے جاسوسوں نے اسے خبر دی کہ جلال الدین بھی کوچ کر کے یہاں سے چند میل مشرق میں خمیر زن ہے۔

اپنے لشکر کی ان گنت تعداد کو دیکھتے ہوئے چنگیز خان نے یہاں اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اس نے اپنے ایک ارغون کی سرکردگی میں اس نے جلال الدین کی سرکوبی کو روانہ کیا اور خود اس نے بامیان شہر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جلال الدین کی طرف بڑھنے کے لیے راستے میں پڑنے والے اس شہر کو فتح کیا جائے تاکہ جلال الدین تک سارے راستے بے خطر ہو جائیں۔

دوسری طرف جلال الدین بھی چنگیز خان کی ایک ایک حرکت سے آگاہ تھا۔ اس کے جاسوس ساری خبریں دن رات اس تک پہنچا رہے تھے۔ جلال الدین نے بھی اپنے لشکر

کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔

لشکر کا قلب اس نے اپنے پاس رکھا۔ میز کا کماندار امین الملک کو بنایا اور سیرہ اس کے ایک ہزار نے عرب جرنیل کی کمان میں تھا۔ قطب اور میز کو جلال الدین نے چنگیز خان کے اس لشکر کے لیے تیار کیا گیا جو اس کے ایک ارغون کی سرکردگی میں اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سیرہ کو اس نے اپنے عرب جرنیل کی سرکردگی میں چنگیز خان کے مقابلے میں بامیان کے شہروں اور وہاں مقیم لشکر کی مدد کو روانہ کر دیا۔ خلید اور طروب بھی اسی سیرہ میں شامل تھے۔

چنگیز خان کے وہ ارغون اپنے ٹڈی دل لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے جلال الدین کی طرف بڑھا اس کا ارادہ تھا کہ وہ جلال الدین کو جبرت خیز شکست دینے کے بعد بامیان کے حاصرے میں چنگیز خان سے آٹے گا۔ اس کی اُمیدوں کے برخلاف جلال الدین بہت پہلے اس کے سامنے آنوار ہوا۔ حالانکہ ارغون کا اندازہ تھا کہ تین میل اور شرق کی طرف جا کر اس کی طرف بھیڑ جلال الدین سے ہوگی لیکن شیر دل جلال الدین سبق رفتاری سے تیس میل کی یہ مسافت طے کرتا ہوا کوہتاں سے گھری ایک کھلی وادی میں اس کے سامنے آنوار ہوا تھا۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کو دیکھتے ہی حملہ آور ہو گئے۔

جلال الدین کے لشکر میں اکثریت ترکوں اور افغانوں کی تھی۔ منگول بڑی تیزی سے اُلٹے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ بہت جلد جلال الدین کو میدانِ جنگ سے بھاگ کر بامیان شہر کی طرف لوٹ جائیں گے تاکہ شہر ان کی موجودگی میں فتح ہو اور وہ لوٹ کھسوٹ میں شامل ہو سکیں۔ لیکن یہاں معاملہ کچھ اُلٹ تھا اور ایک کرناک حقیقت سامنے آئی تھی۔ جلال الدین کی سرکردگی میں افغان اور ترک جمال حق کے منظر اور رموزِ رب کے محرم بن کر مزاحم ہوئے تھے وہ مقدس جذبوں کے شہید بن کر آگے بڑھے تھے اور ایک ایک لشکر کی کئی کئی منگولوں کو ساتھ لے کر مرا تھا۔

مسلمان ظلمتوں کے رہبر منگولوں کو اپنی تلوار کی نوک سے درسِ آدمیت دے رہے تھے۔ انہوں نے منگولوں کے دلوں کو لہو لہوا اور آنکھوں میں زندگی کی بے بسی پھیلا کر رکھ دی تھی۔ لگتا تھا لذتِ بے خودی میں وہ منگولوں پر زندگی بھر کی اذیت اتار لینا چاہتے تھے۔ اچانک

اسلامی لشکر میں ایک ساتھ اللہ اکبر کی صفوں میں بلند ہونا شروع ہو گئیں اور اس کے ساتھ ہی جلال الدین کی سرکردگی میں مسلمان لشکر کی دلوں کے قائد بن کر اپنے حملوں کی تحریک اور نمکنت و جثمت میں منگولوں کو گناہ کی کھیتی سمجھ کر کاٹنے لگے تھے۔

مسلمان چھر کی طرح بے اثر ہو کر منگول صفوں میں گھستے پلے گئے تھے۔ بہر طرف ہر سمت منگولوں کی آہ و فغاں اور چیخ و پکار بلند ہونے لگی لیکن مسلمانوں کا یہ جگر موختر اور جان لیوا حملہ تھوڑی دیر تک ہی جاری رہ سکا کیونکہ منگولوں کی اکثریت اس جگہ میں ماری گئی اور جو زندہ بچے وہ اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے ارغون کی سرکردگی میں واپس چنگیز خان کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

چنگیز خان ڈوڑوز تک بامیان شہر کے محاصرے میں تقویت پیدا کرتا رہا اور جلال الدین کے میسرہ کا عرب جرمیل اس سے قریب ہی کو ہٹا دل میں چھپان پر گہری نظر رکھے تھا۔ میسرہ رد و جب چنگیز خان نے شہر پر عام حملے کا حکم دیا اور منگول بامیان شہر پر قبضہ کی گدھوں کی طرح ٹوٹ پڑے تو میسرہ کا عرب جرمیل اپنی گھات سے نکلا اور اس جگہ حملہ آور ہوا جہاں چنگیز خان اپنے ایک پوتے کے ساتھ حملے کی نگرانی کر رہا تھا۔

میسرہ کا سالار بے صدا سمندر کی طرح حملہ آور ہوا۔ وہ اپنے لشکر کے آگے آگے تھا اور رتے میں آنے والے منگولوں کو کاٹتا چلا جا رہا تھا۔ اس کے حملوں میں شعلوں کی بتیابی اور دنیا کا اضطراب تھا۔ لگتا تھا قدرت نے اسے زمین کو زخم زخم، آسمان کو نمٹ نمٹ، صدف کو موتی اور پتھر کو گوہر کرنے کے لیے پیدا کیا ہو۔ اس کے ساتھی بھی راکھ کو چنگاری اور پسینے کو لہو میں بدل دینے کا فرض ادا کر رہے تھے۔ ان کے حملوں میں عظمت و شکوہ کی ترجمانی شبنم کی آسودگی تھی۔

ایک بار اس عرب جرمیل نے چٹا کر کہا: "اے جان شان دار ملت! آؤ چنگیز خان کی صفوں کی آلت کرتاریخ کے نئے اسباق کو جنم دیں۔ اسلام کی سر بلندی اور قوم کی سر خروانی کے لیے سب سے پہلے میں اپنے آپ کو موت کے لیے پیش کرتا ہوں۔"

اپنے سالار کے ان الفاظ سے میسرہ میں اوراک و وجدان سے ایک آگ سی لگ

گئی تھی۔ ایک عام لشکر بھی ایسی سعادت مندی اور غلغلے سے جلد آدھ ہونے لگا تھا جیسے وہ شائع لوح و قلم اور انجمن کن فیکون کے سارے رازوں پر محیط ہو جانے کو بھل کھڑے ہوئے ہوں۔ یہ ایسا درد وار حملہ تھا کہ منگولوں کی صفیں کی صفیں ہل گئیں اور ایسی افرا تفری کا عالم طاری ہوا کہ چنگیز خان اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری طرف بھل جانے پر مجبور ہو گیا۔

اس جگہ وفد اور افرا تفری میں چنگیز خان اپنے پوتے سے پھر گیا اور میسرہ کا عرب سالار اس کے سر پر جا پہنچا۔ اس نے اپنی تلوار مار کر چنگیز خان کے پتے کی گردن کاٹی پھر اس کا سر اس نے اپنے نیزے کی مدد سے ہوا میں اچھال دیا تھا۔

قبل اس کے کہ چنگیز خان سنبھلتا اور اپنی منتشر صفوں کو درست کر کے وہ حملہ آور کے سامنے کھڑا کرتا جلال الدین کا میسرہ اپنا کام مکمل کر کے مڑا اور اپنی کامیابی پر وہ زور و زور کی طرح ترانہ ملکوتی اور غنائے لاہوتی گاتے اپنی کمین گاہ کی طرف واپس لوٹ گئے تھے۔

چنگیز خان راز پر دال بن کر نازل ہونے والے اس لشکر کو انتہائی بے بسی اور لاچارگی سے دیکھتا رہ گیا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد جب اسے خبر ہوئی کہ حملہ آوروں کا سالار اس کے پتے کو کاٹ کر رکھ گیا ہے، تو اپنے حملوں سے دنیا کے ایک بڑے حصے کو ہلا دینے والے چنگیز خان نے اپنے بال و روچ لیے اور سر پیٹ لیا۔ چنگیز خان ابھی اپنے پوتے کا ماتم ہی کر رہا تھا کہ اس کے تیز رفتار جاسوس خبر لائے کہ ان کے ارغون کو جلال الدین نے عبرت خیز اور ذلت آمیز شکست دی ہے۔ اس خبر سے چنگیز خان بے روغن چراغ کی طرح بجھ گیا اور راکھ کی طرح بکھر کر رہ گیا۔

چنگیز خان ارغون کے شکست دینے کے بعد جلال الدین چاہتا تھا کہ مغرب کی طرف پیش قدمی کرے اور چنگیز خان کو پیش کر رکھ دے۔ اسے چنگیز خان کے مقابلے میں اپنے میسرہ کے سالار کی کامیابی کی بھی خبریں پہنچ گئی تھیں۔ لہذا اس کے حوصلے اور بلند ہو گئے تھے۔ لیکن اس موقع پر جلال الدین کے جاسوس ایسی خبریں لائے کہ جلال الدین کو اپنا لالچ عمل یکسر تبدیل کرنا پڑ گیا تھا اور وہ ایسی جگہ ایسی گھات اور کمین گاہ سے متعلق سمجھنے لگا تھا جہاں وہ منگولوں کے ساتھ آخری اور کامیاب معرکہ لڑ سکے۔ لہذا اس نے

فیصلہ کیا کہ اپنے لشکر کو ایک جگہ جمع کرے گا اور کوہستانوں سے اتر کر وہ دریائے سندھ کی وادی میں داخل ہو جائے گا۔ اس کا نظریہ تھا کہ اگر فتح ہوئی تو وہ مہارائے گوبی نگر چنگیز خان اور اس کے عساکر کا تعاقب کرتا چلا جائے گا اور شکست کی صورت میں وہ دریائے سندھ کو پار کر کے دہلی کے سلطان کی حدود میں داخل ہو جائے گا۔

یہ ایک تکلیف دہ اور کربناک فیصلہ تھا جو جلال الدین نے انتہائی مجبوری کی حالت میں کیا تھا۔ اس لیے کہ اس کے جاسوس خبر لائے تھے کہ چنگیز خان کا بیٹا تولائی ہرات کی مہم سے فارغ ہو کر اور چنگیز خان کے عظیم جرنیل سوہدائی اور بھی نویان مغزی ہمیں نسا کر بامیان کے قریب پہنچنے والے ہیں۔

ان جاسوسوں نے یہ خبر بھی دی کہ ان لشکروں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے اور وہ موج در موج بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ کچھ جاسوسوں نے یہ خبر بھی دی کہ منگولوں کا ایک لشکر غزنی کی طرف سے بھی اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔

خلید اور طروب بامیان شہر کے فواح میں کوہستانوں کی ایک چوٹی پر بیٹھے ہوئے تھے اور نیچے وادی میں ان کا لشکر آرام کر رہا تھا۔ پہاڑ کے اوپر جگہ جگہ پہریدار بیٹھے چنگیز خان کے لشکر پر گہری نظر رکھے پہرہ دے رہے تھے تاکہ ان کا لشکر آرام کر سکے اور چنگیز خان کے حملے کی صورت میں پیشگی اطلاع بھی دی جاسکے۔

طروب نے میٹھی میٹھی نگاہوں سے خلید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "میں منگولوں سے بہت خوفزدہ رہتی تھی۔ میں واقعی یہ سمجھتی تھی کہ یہ ہم پر عذابِ الہی ہیں اور جنگوں میں ان کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن پچھلے روز کی جنگ نے اور گزشتہ رات کے کامیاب شب خون نے میرے خیالات کا رخ موڑ دیا ہے۔ بخدا زندگی میں پہلی بار جہاد میں جتہ لینے کا اس قدر سرور آیا ہے اور پھر پچھلے روز کے حملے میں اپنے میسرہ کے سالار کی شجاعت اور عمدہ کنڈار نے میرے حوصلوں اور دلوں کو اور تاب و جلال بخشی ہے۔ بخدا میں اسے دیکھ رہی تھی وہ کسی بھوکے شاہین اور خونخوار عقاب کی طرح چنگیز خان کے پوتے پر چھٹا اس کی گردن کاٹی اور پھر اپنے نیزے کی آنی پر اس نے ہوا میں اچھال دیا تھا۔ واللہ

ہمارے میسرہ کے سالار نے منگول پر ثابت کر دیا کہ وہ ناقابلِ تسخیر نہیں اور ہم جیب چاہیں انہیں زیر کر کے رکھ سکتے ہیں۔ خدا کرے ایک آنوی معرکے میں ہم پھر فتح یاب ہوں اور چنگیز خان کو مہارائے گوبی کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیں۔ پھر ہمارے شہروں، قصبوں اور قریوں میں امن سکون اور سلامتی کی صدائیں بلند ہونے لگیں گی۔"

خلید نے دعائیہ انداز میں کہا: "اللہ کرے تمہاری یہ خواہش پوری ہو جائے اور ہم ان بھیڑیوں کو ان کے بھٹ کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیں۔"

طروب نے چاہت اور محبت آمیز آواز میں کہا: "ایسی صورت میں جنگ سے فارغ ہو کر ہم نیشاپور کا رخ کریں گے اور وہاں مریہ کے ساتھ پُر سکون زندگی کی ابتدا کریں گے۔"

خلید نے کہا: "پہلی جنگ کی نسبت پچھلی رات کے شب خون میں تمہاری کارکردگی زیادہ بہتر تھی۔ میں نے تم پر کڑی نگاہ رکھی تھی۔ بخدا میں نے تمہارے جنگ کرنے کے انداز کو بے حد پسند کیا تھا۔"

طروب جواب میں کچھ کہنے والی تھی کہ نیچے وادی میں ان کے لشکر کے اندر کوچ کے طبل اور نقارے بجنے لگے تھے۔ طروب نے خلید کی طرف دیکھتے ہوئے پریشانی میں پوچھا: "یہ نیچے لشکر میں کوچ کے نقارے کیوں بجھ لگے ہیں۔ ہمارا لشکر کدھر روانہ ہونے لگا ہے۔ کیا کہیں حملہ ہونے لگا ہے۔"

خلید نے اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "خبر نہیں یہ کوچ کس لیے اور کس سمت ہونے لگے۔"

اتذ میں ایک سیاہی بھاگتا ہوا ان کے پاس آیا اور کہا: "لشکر واپس کوچ کر رہا ہے۔ جنگی سناں کا مٹا توں نہ اور اس کے جرنیل سوہدائی اور بھی نویان اپنے رکھوں کے لشکروں کے ساتھ اس طرف بڑھ رہے ہیں۔ اپنے لشکر کی ساری قوت مجتمع کرنے کے لیے آقا جلال الدین نے ہجرہ کو واپس بلا لیا ہے لہذا لشکر ابھی آقا کی طرف کوچ کر رہا ہے۔ خلید اور طروب دونوں اٹھ کر نیچے اترنے لگے۔ وہ سپاہی کوستانوں کے اوپر

پھر وہ دینے والے دوسرے جوانوں کو واپسی کی اطلاع کرنے کے بڑھ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سارا لشکر وادی میں جمع ہو گیا پھر وہ اپنے عرب سالار کے پیچھے پیچھے مشرق کی طرف ان کو متانوں اور فادیلوں کی طرف کوچ کر رہا تھا۔ جہاں جلال الدین بڑی بے چینی سے اپنے میسرہ کی واپسی کا منتظر تھا۔

جلال الدین کے میسرہ کے چلے جانے سے گوہر میان شہر کے مسلمانوں کا کوئی محافظ و مددگار نہ رہا تھا تاہم شہر میں مقیم لشکر نے بڑی جانفشانی سے کئی روز تک چنگیز خان کا مقابلہ کیا۔ چنگیز خان محاصرے کے طویل پر محاصرہ تھا۔ اس لیے کہ قلعے کی تفصیل کو توڑنے کے لیے مگلوں نے جو بمبھیتیں اور برج بنائے تھے وہ جب سنگ باری کے لیے نزدیک ہلتے تو شہر کا محافظ لشکر بغیر نفت میں ڈوبے آتش گیر تیروں کی بوجھاڑ کر دیتا جس کے باعث منجھیتوں اور لکڑی کے برجوں کو آگ لگ جاتی تھی اور چنگیز خان کا ہر حملہ اور ہر جنگی تدبیر ناکام ہو جاتی تھی۔

اپنی اس سب سے درپے ناکامیوں پر چنگیز خان نے اپنے لشکر کے مویشیوں کو کاٹ کر ان کی بھیگی ہوئی کھالوں کو اس نے منجھیتوں اور لکڑی کے برجوں پر منڈھوا دیا۔ اس طرح روغن نفت کی آگ سے بچا جاسکتا تھا۔ پھر اس نے شہر پر آخری حملے کا حکم دیا۔ مویشیوں کی کھالیں استعمال ہونے پر شہر کے محافظ دستوں کے آتشیں تیر پکا ثابت ہونے لگے تھے اور شہر کے مسلمان اب چنگیز خان کے سامنے مجبور وہے پس دکھائی دے رہے تھے۔ اس لیے کہ شہر کے اندر موجود چھوٹے سے ایک محافظ کے علاوہ شہر سے باہر قلعہ و نزدیک کوئی ایسا لشکر کوئی ایسی قوت نہ تھی جو اس مصیبت و اجلا کے وقت ان کی مدد کو پہنچتی۔

اپنے اس آخری حملے کو کامیاب بنانے کے لیے چنگیز خان اپنے سرے خود تار کر ان مگلوں کی صفوں میں جا گھسا جو منجھیتوں سے شہر کی تفصیل پر سنگ باری کر رہے تھے۔ آخر کار ایک جگہ سے شہر کی تفصیل ٹوٹ گئی۔ شہر کے محافظ لشکر نے تفصیل کے شگان کی حفاظت کرنے کی انتہائی کوشش کی لیکن مگلوں شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

پھر شہر میں وہی کچھ مہاجر مگلوں کا ٹیڈہ تھا۔ شہر کے اندر ہر ماں و مارہ تیغ کر دیا گیا جس کے قتل اور کوچوں کو سہارا دیا گیا۔

اس شہر میں مگلوں کے اس قدم تبابہی چھائی کہ وہ خود بھی اس شہر کو موبلیغ و غم کا شہس کہنے لگے تھے۔ چنگیز خان نے چند روز یہاں قیام کیا۔ اتنی دیر تک اس کا بیٹا اسٹول جنرل بھی اپنے لشکروں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے تھے پھر اس متحدہ لشکر کے ساتھ اس نے مشرق میں جلال الدین کی طرف کوچ کیا تھا۔



اس تلخ حقیقت کے باوجود کہ افغان لشکر مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں جھگڑا ہو جانے کی وجہ سے جلال الدین سے علیحدہ ہو کر چلا گیا تھا۔ جلال الدین نے ہمت نہ ہاری اور چنگیز خان پر آخری ضرب لگانے کو تیار ہو گیا۔ اب اس کے پاس صرف تیس ہزار کا لشکر تھا جب کہ چنگیز خان کی سمیت میں لاکھوں کا لشکر تھا۔ اپنے تیس ہزار لشکر کے ساتھ جلال الدین دریائے سندھ کی ولوی میں داخل ہو گیا۔ جلال الدین نے اپنے لیے ایک ایسے میدان کو چنا جس کی پشت پر موجیں مارتا تھا اور دیکھے سندھ تھا اور یہاں دریا کا بہاؤ اور پانی اتنا گہرا تھا کہ تیر کر اسے پار نہ کیا جاسکتا تھا۔

اس کا بایاں چلو ایک یٹنسا وندنا قابل عبور کو متانی سلسلے سے محفوظ تھا۔ دائیں طرف کی آدھی سمت کو دریائے سندھ ایک لمبا لکھا کر محفوظ کرتا تھا اور باقی حصے میں بلند ترین کوہستانی سلسلہ تھا جس کے اندر گزرنے کے لیے ایک ہی درہ تھا اور اس درے پر جلال الدین نے اپنے ایک ہزار تیر انداز مقرر کر کے اپنی دائیں طرف کو بھی محفوظ تسخیر بنالیا تھا۔ اس موقع پر دریا کے سندھ کے کنارے یعنی بھی کشتیاں کھڑی تھیں جلال الدین نے اس نظریہ کے تحت جلا دیں کہ لشکریوں کے دل میں میدان سے مڑ موڑ کر دیکھے اس پر بھاگ پھلنے کا خیال پیدا نہ ہو۔ اس طرح اپنے لیے میدان جنگ کا انتخاب کرنے اور اپنے لشکر کو ترتیب دینے کے بعد جلال الدین چنگیز خان کا انتظار کرنے لگا تھا۔

ایک روز صبح سویرے چنگیز خان اپنے ٹڈی وں لشکر کے ساتھ اس میدان کے

سائنے نمودار ہوا مدتے ہی اس نے صفیں درست کرنی شروع کر دیں۔ چنگیز خان اپنے لشکر کے سامنے وسط میں اپنے جنگی نشان کے ساتھ اپنے دس ہزار ذاتی محافظوں کے اندر کھڑا تھا۔ ہنر جنگ کی ابتدا ہوئی۔ جلال الدین نے اپنے میمنے کو امین الملک کی سرکردگی میں چنگیز خان کے میسرہ کے مقابلے کے لیے آگے بڑھایا۔

جلال الدین کا میمنہ چنگیز خان کے میسرہ سے کئی گنا کم تھا لیکن امین الملک نے کم تعداد ہونے کے باوجود دست اجل اور غم و دکھ کی یلغار بن کر ایسا زوردار حملہ کیا کہ منگول نڈال و فنا پذیر ہو کر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اپنے میسرہ کی پسپائی پر جو توی سان کی سرکردگی میں تھا چنگیز خان کو انتہائی غصہ آیا اور اس نے مسلمانوں پر عام حملے کا حکم دے دیا تھا۔ اب جلال الدین اپنے قلب اور عرب جرنیل اپنے میسرہ کو لے کر آگے بڑھے تھے۔

عرب جرنیل کے میسرہ کے حوصلے پہلے ہی بند تھے۔ جب اس عرب جرنیل نے لگا کر اللہ اکبر کے نعرے مارتے ہوئے حملہ آور ہونے کی ابتداء کی تو اس کے لشکر کی چنگیز خان کے میمنے کو اپنا حدت بنائے ہوئے ایک مجاہدانہ انداز میں اپنے قلب و نظر کی تطہیر اور فکر و کردار کی ترتیب کا ثبوت دینے لگے تھے۔ فرزندانی توحید نفرت کا طوفان اور خدا کی آگ بن کر پرستان باطل کی ہولناک یلغار پر چھانے لگے تھے۔

مسلمان مجاہدین مقابلوں کی پھر پھر اہٹ اور شیروں کی دھماکی طرح اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہم آہنگ ہو کر تکمیریں بلند کرتے ہوئے سرکش آہی، موت کی بے امان حکمت بیل وقت کی طرح آگے بڑھتے رہے اور کمر اکوفہ مند سا اور رعایا سے مشابہہ آوازوں کی طرح وہ منگولوں پر چھاتے رہے۔

چنگیز خان اب بھی مطمئن تھا کیوں کہ اس نے اپنے لشکر کو قلب کے طور پر توی خان کے لشکر کو میسرہ اور غزنی سے آنے والے لشکر کو میمنے کے طور پر استعمال کیا۔ بھی ایسے کے رد عمدہ جرنیل سو بولائی اور جی تو بان اپنے لشکر و دل کے ساتھ محفوظ عساکر کے طور پر پڑے تھے ابھی انہوں نے جنگ میں حصہ لینا شروع نہ کیا تھا اور دائیں طرف گھات میں کمر بستہ تھے۔ جلال الدین کا عرب سالار اپنے میسرہ کے ساتھ چنگیز خان کے میمنے کو دفعتاً اس

قلب میں داخل ہوا اور اس طرف آیا جہاں خود چنگیز خان جنگ کر رہا تھا۔

خلیدہ جو میسرہ کے ایک محفوظ جرنیل کی حیثیت سے تھا طروب کے ساتھ اپنے سالار کے پہلو پہلو دشمن سے برسرِ پیکار تھا۔ عرب جرنیل دشمن کے قلب میں گھسنا ہوا اس جگہ جہاں پہنچا جہاں چنگیز خان تھا۔ میسرہ کے اس عرب سالار نے چنگیز خان پر حملہ کر دیا۔ چنگیز خان کے محافظ چاروں طرف سے اٹھا اٹھ کر اس کی حفاظت کر رہے تھے لیکن میسرہ کے مجاہدین نے انہیں اپنی تلواروں پر رکھ لیا تھا۔

عرب جرنیل نے جب چنگیز خان پر اپنی تلوار برساتی تو چنگیز خان ایک طرف جھک کر اپنا آپ بچا گیا لیکن عرب سالار کی تلوار اس کے گھوڑے کی پیٹھ پر گر گئی اور ایسے زور سے گر گئی کہ اسے کاٹتی چلی گئی۔

چنگیز خان کا گھوڑا گر کر مر گیا۔ جب کہ چنگیز خان ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اس موقع پر جلال الدین بھی یلغار کرتا ہوا چنگیز خان کے سر پر جا پہنچا تھا۔ لیکن چنگیز خان کی قسمت اچھی تھی جو وہ بھاگ کر اپنے محفوظ لشکروں میں چلا گیا تھا۔

اس موقع پر جب کہ منگولوں میں شکست کے آثار واضح ہونے لگے اور مسلمان اپنی فتح کے نشے میں آگے ہی آگے بڑھتے جا رہے تھے خلید نے اچانک اپنے قریب دشمن سے جنگ کرتی ہوئی طروب کی کرناک چیخ سنائی دی۔ خلید نے جب مڑ کر دیکھا تو طروب اپنے گھوڑے سے گر کر پتھر پٹی زمین پر پڑی تھی اور اس کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔

خلید نے اپنے گھوڑے سے اتر کر اُسے دیکھا وہ دم توڑ چکی تھی۔ جنگ اپنے عروج پر تھی اور دشمن پسپا ہونے لگا تھا لہذا خلید پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے سالار کے ساتھ دشمن سے برسرِ پیکار ہو گیا تھا۔

میں اُس وقت جب منگول جنگ سے منہ موڑ کر رزم گاہ سے بھاگنے لگے تھے منگولوں نے اپنی فطری ریاکاری سے کام لیا اور وہ درے کے محافظ ایک ہزار مسلمان تیر اندازوں کو پکار پکار کر کہنے لگے۔ 'منگولوں کو شکست ہو گئی ہے۔ آؤ اب سب مل کر ان کا تعاقب کریں۔ درے کے محافظوں نے وہی غلطی کی جو جنگِ اُحد کے درے کے محافظوں نے کی

تھاقب میں شامل ہونے کے شوق میں ان ایک ہزار تیراغانوں نے دوسرے کو چھوڑ دیا۔ پھر وہی ہوا جس کی آمینگی جاسکتی تھی۔ سو رہائی اور بھی قبولہ اپنے لشکروں کے ساتھ اس دوسرے کو حیدر کے مسلمانوں کی پشت پر حملہ آور ہوئے اور ہر طرف انہوں نے ایک کھرا ایک تباہی مچادی کہ وہی تھی۔ سب سے پہلے میسرہ کا عرب جرنیل ان کا مدد بنا۔ میسرہ کے جوانوں نے ایک حلقہ بنا کر اپنے عرب جرنیل کی حفاظت شروع کر دی تھی لیکن منگولوں نے اس حلقے کو تیزی سے کاٹنا شروع کر دیا تھا۔ خلید اس حلقے میں پیش پیش تھا، لہذا وہ بڑی طرح زخمی ہوا اور اپنے گھوڑے سے گر گیا تھا۔ خدا کے وہ دلوں سپاہی جن کی خلید نے نیشاپور سے شمال میں مدد کی تھی زخمی خلید کا خاکر میدان جنگ سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے میسرہ کا عرب سالار بھی اپنے بچے بچے لشکریوں کو لے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اب ان گنت منگولوں نے جلال الدین اور امین الملک کے شکروں کو چاروں طرف سے گھیر کر کاٹنا شروع کر دیا تھا۔ امین الملک بھی اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ عرب جرنیل کی طرح میدانِ جنگ سے بچ جاتے ہیں کامیاب ہو گیا۔ تاہم جلال الدین کا تقریباً سارا لشکر کٹ مرا اوروہ بھارا دیہے سندھ کی طرف بھاگا۔ چنگیز خان نے اپنے دوستوں کے ساتھ جلال الدین کا تعاقب کیا اور اس نے حکم دیا کہ جلال الدین کو زندہ گرفتار کیا جائے لیکن انہیں ناکامی اور مایوسی ہوئی سدیہ کے کنارے جا کر بیس فٹ کی ایک بلند چٹان پر کھڑے ہو کر جلال الدین نے اپنے گھوڑے سمیت دیہے سندھ میں چھلانگ لگا دی تھی۔

جلال الدین کی اس جرأت و دلیری پر چنگیز خان انگشت بندھاں ہو کر رہ گیا تھا۔ ابد
بے ساختہ اس نے پکارا۔ ”وہ باپ خوش قسمت ہے جس کا جلال الدین جیسا ہلور بیٹا ہو
بہادر خوارزم شاہ کے ہاتھ ایسے شیر دل بیٹے کو جہنم لینا چاہیے تھا۔ کاش یہ میرا بیٹا ہوتا۔
پھر چنگیز خان نے اپنے لشکر میں کو پکار کر کہا۔ ”وہ اے سندھ کی اس وادی میں جلال الدین تقیاً

ہمیں شکست دے چکا تھا لیکن اس کے ایک ہزار تیرا ملازم کی غلطی اور حماقت نے اس کی غلط فہمی کو شکست میں بدل دیا۔ چنگیز خان ویر تک وہاں کھڑا ہو کر جلال کو دیکھتا رہا۔ جب جلال الدین علی کے دو سرے کنارے پر ٹھہر گیا تو وہ واپسی مڑ کر گیا۔

وہ دونوں جوان غلیہ کو میدان جنگ سے باہر نکال لے گئے تھے اور نرم زمینی پر آتے
 رہا دیا تھا۔ غلیہ بڑی طرح زخمی تھا اور سخت تکلیف کی حالت میں تھا۔ ایک جوان نے اپنے ٹکڑے
 سے پانی لے کر اس کا منہ دھویا اور غلیہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "میں چند گھنٹوں کا بہانہ
 ہوں اگر تم بچ نکلو تو اس لڑکی تک میری موت کی خبر پہنچا دینا جو اس وقت میرے ساتھ سفر کر رہی
 تھی جب میں نے نیشاپور کے شمال میں تمہاری مدد کی تھی۔"

وہ اپنے نانا کے پاس رہتی ہے اس کا نام مرینہ ہے۔ اس کے نانا کا نام ابی سلوم ہے اور وہ کمان گروں کے بازار میں رہتا ہے۔ چند مانیوں تک غلیف خاموش رہا پھر اس نے انتہائی کرب میں کہا - ”دیائے و جلد سے کابل تک پھیلی وہ قوم جو کبھی زبردستوں کیلئے ہیبت گاہ اور زبردستوں کے لیے پناہ گاہ ہوا کرتی تھی بے غرضی اور عظمت کی گہری نیند سوئی ہوئی ہے۔ کاش کوئی پاسدار نظر اور حقانی نگاہوں کا پاسبان اُسے جگاتا۔ ربلم یزل کی قسم اگر میری قوم جاگ رہی ہوتی تو ہم مذم گاہوں میں منگوئوں کو غار خارا اور ان کے جنگی جذبوں کو ناتار کر دیتے۔ ہائے حیفت میری قوم کی شفق شمال، بہارِ شمیم اور پر خمار و سرشار صبحیں علمِ شب میں بدل گئی ہیں۔ قوم کے یہ زخم تو کبھی بھر ہی جائیں گے پرواغِ تندہ نہیں گئے۔ جب تم نیشاپورِ جاؤ تو اس لڑکی سے کہنا ہم شاید دریا کے کناروں کی طرح بے میل تھے۔ اُسے کہنا ————— اُسے

کہنا کہ وہ —————

ایک جوان نے تڑپ کر غلیہ کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ غلیہ ختم ہو چکا تھا۔ ان دونوں نے جلدی جلدی کر غلیہ کو دہاں دفن کر دیا اور اپنی جان بچانے کی محاطرہ وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔

ایک روز مرینہ کے نانا ابی سلوم کی جوبلی کے دروازے پر کسی نے دستک دی۔ اس کا ماموں گھر پر نہ تھا لہذا اس کا نانا لائٹھی ٹیکتا ہوا گیا اور دعوازہ کھولا۔ باہر وہی دونوں جوان کھڑے تھے جنہوں نے خلید کو دفن کیا تھا۔

ابی سلوم نے پوچھا: تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟
ان میں سے ایک نے کہا: ہم میدانِ جنگ سے آئے ہیں اور ہمارے پاس مرینہ بہن کے لیے امیر خلید کا ایک پیغام ہے۔
ابی سلوم نے پوچھا: جنگ کا کیا ہوا؟

اس جوان نے کہا: ہم مار چکے ہیں۔ ہم یہاں سے کوچ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ مرینہ بہن کو بلائیں تاکہ ہم سے پیغام پہنچا کر اور سکدوش ہو کر روانہ ہو جائیں۔

مرینہ بھی ان کی گفتگو سن چکی تھی لہذا وہ ابی سلوم کے بلانے سے قبل ہی ان دونوں کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ ان میں سے ایک نے مرینہ کو مخاطب کر کے کہا: اے میری بہن ہمیں دکھ ہے ہم تمہارے لیے بُری خبر لائے ہیں۔ ہمیں شکست ہوئی ہے اور امیر خلید جنگ میں کام آچکے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وہاں سے کوچ کر گئے۔

مرینہ بچاری گرتے گرتے بھی پہلے وہ سسکی پھر دھڑکیں مار مار کر رونے لگی۔ ابی سلوم پریشان اور غمزدہ ہو گیا تھا۔ شام کی سیاہی پھیلنے لگی تھی، ابی سلوم مرینہ کو مہلا دے کہ اندر لے جا رہا تھا۔ مرینہ بلند آواز میں اور دھڑکیں مار مار کر رو رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں جاری تھے جیسے بھادوں میں نمایاں جھل جھل ہو گئی ہوں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

